محمد ﷺ کون؟

تالیف

ڈاکٹر عبدالحمید جاسم البلالی

ترجمہ

مفتی محمد ارشد فاروقی

المنار پبلشنگ ہاؤس
AL-MANAR

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون؟

تالیف

ڈاکٹر عبدالحمید جاسم البلالی

ترجمہ

مفتی محمد ارشد فاروقی

المنار پبلشنگ ہاؤس
AL-MANAR

نام کتاب : محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون؟

تالیف : ڈاکٹر عبد الحمید جاسم البلالی

صفحات : ۲۰۰

طبع اوّل : مارچ ۲۰۲۴ء

باہتمام : محمد خالد اعظمی

ناشر : المنار پبلشنگ ہاؤس، N-27 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 25

khalid.azmi64@gmail.com

Not for Sale

ملنے کا پتہ

المنار پبلشنگ ہاؤس

AL-MANAR, N-27، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

N-27, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, N. Delhi-25

+91 9667072147

+965 65948929

یہ کتاب

ان تمام بھائیوں اور بہنوں کے لیے ہے

جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف مسلمانوں کا رسول سمجھتے ہیں

حالاں کہ وہ پوری انسانیت کے رسول ہیں۔

جس طرح روشنی، ہوا اور پانی سب کے لیے عام ہیں۔

اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سب کے لیے عام ہیں۔

اس میں آپ کے لیے ایک ایسا پیغام ہے

جو آپ کی خزاں رسیدہ زندگی کو پر بہار بنا دے گا۔

اللهم صل على سيدنا محمد النبي

الأمي وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

فہرست مضامین

تقدیم	۷
مقدمہ	۹
کچھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بارے میں	۱۱
ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کی حالت زار	۱۵
رسول اور انصاف	۲۵
رسول اور مساوات	۳۰
رسول اور تواضع	۳۶
رسول اور عورتیں	۴۰
رسول اور والدین	۵۲
رسول اور بچے	۵۷
رسول اور حیوانات	۶۵
رسول اور پڑوسی	۶۹
رسول اور یتیم	۷۲
رسول اور فقراء	۷۵
رسول اور غلامی	۸۰
رسول اور رحمت	۸۵
رسول اور عفوودرگزر	۹۰
رسول اور ماحولیات	۹۶
رسول اور نظافت	۹۹
رسول اور آزادی	۱۱۳
رسول اور خدمت گزار	۱۲۳

رسول اور تشدد	۱۲۶
رسول اور انفاق	۱۳۴
رسول اور احساس کی رعایت	۱۳۸
رسول اور اعتدال	۱۴۵
رسول اور مثبت اقدار کا فروغ	۱۵۰
رسول اور انسانی صلاحیتوں کا فروغ	۱۵۲
رسول اور سائنسی تحقیقات	۱۵۶
رسول اور اقلیتیں	۱۷۹
رسول کی وہ پیشین گوئیاں جو پوری ہوئیں	۱۸۴
محمدؐ کی شخصیت دانش وروں کی نظر میں	۱۹۳
خاتمہ	۲۰۰

———————

تقدیم

ایک ایسی دنیا جس میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون عام تھا۔جس میں غریبوں کا معاشی استحصال امیروں کے لیے کھلواڑ تھا۔جس میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی عام طور پر زندہ دفن کر دینے کا رواج تھا۔جس میں عورتوں کی عزت، عصمت اور حرمت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ جب ایک خدائے بزرگ و برتر کے بجائے ان گنت خداؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ ایسے وقت میں دعائے خلیل اور نوید مسیحا پہلوئے آمنہ سے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں ہویدا ہوئی۔ایک ایسا نبی امی جو کسی خاص علاقے، طبقے اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ جو صاحب خلق عظیم تھا۔جس کے ذکر کو اس کے رب نے وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کہہ کر بلند کیا تھا اور جو تمام عالم کے انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔جس نے قرآن حکیم کی صورت میں ایک ایسا نسخۂ شافی و کافی بیمار انسانیت کو عطا کیا جو کہ اس کے تمام دکھوں کا ازلی اور ابدی نجات دہندہ تھا۔لیکن یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ہم نے اس محسن انسانیت کو دنیا کے سامنے اس طرح نہیں پیش کیا، جیسا کہ اس کا حق تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول شاعر:

کیا خبر تھی یہ زمانے بھی ہیں آنے والے
سوتے رہ جائیں گے دنیا کو جگانے والے

جس نے ہمیں علم کی دولت سے بہرہ مند ہونے کا سبق دیا۔جس نے کہا کہ علم حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر۔جس نے مزید کہا کہ علم حاصل

کرو ماں کی گود سے لے کر قبر تک۔ جس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ حکمت مومن کی گمشدہ پونجی ہے، اسے جہاں سے ملے حاصل کرو۔ جس کا فقر اختیاری تھا، اضطراری نہیں۔ جس نے ہمیں یہ بتایا کہ جو بھی ملتا ہے وہ انسان کو اس کی کوشش کے بغیر نہیں ملتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ جو کچھ اچھا و برا ہوتا ہے وہ تقدیر سے ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ آج دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی گھیرابندی صرف اس لیے ہو رہی ہے کہ ہم نے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کو بھلا دیا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ اس کا احساس کویت میں بیٹھے ہوئے ایک ایسے عالم بے بدل کو ہوا جو دردِ تنہا کے بجائے غمِ زمانہ کا پیکر ہے۔ انھوں نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو عام انسانوں میں پھیلانے کے لیے ۲۹ موضوعات میں تقسیم کر کے ہمارے سامنے عربی زبان میں پھیلایا۔ پہلے اسے انھوں نے خود مادری زبان عربی میں تصنیف کیا اور اب برادرم خالد اعظمی کی دل چسپی اور کوشش سے اردو زبان میں ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون؟'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ مجھے یہ خوشی اور سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے اس کتاب کا باضابطہ اردو ترجمہ پڑھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمام لوگ جو اس کتاب کا مطالعہ کریں گے اس کی زبان، متن اور اندازِ بیان سے بھرپور طور پر متاثر ہوں گے۔ میری یہ رائے ہے اور امید ہے کہ ایسا ہو بھی رہا ہوگا کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہونا چاہیے، خاص طور پر ہندی زبان میں۔ کیوں کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ کرنے میں یہ کتاب بہت معاون ہو سکتی ہے۔

پروفیسر اختر الواسع
پروفیسر ایمریٹس شعبۂ اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مقدمہ

ساری انسانی تہذیبوں اور تاریخی ادوار میں یہ بات زبان زد خاص و عام رہی ہے کہ انسان جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے اور ہر نئی چیز جس کا وہ عادی نہیں ہوتا ہے اس سے بدکتا ہے۔ اسی طرح جو سماجی رسم و رواج اور طور طریقے اس کی گھٹی میں پڑے ہوتے ہیں اس سے سرِ موانحراف برداشت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے غلط عقائد کی اصلاح کے لیے نبی بھیجے تو تمام اقوام و ملل کا ایک ہی جواب ہوتا:

اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ۝۲۲ (۱)

’’ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اُنہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔‘‘

آیت میں ’’اُمت‘‘ کا مطلب طور طریقہ ہے۔ اسی لیے تمام قوموں نے نبیوں اور رسولوں کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ کیوں کہ وہ باپ دادا سے ملے ہوئے عقائد، رسم و رواج اور مذہبی طور طریقے سے مانوس تھے۔

چیز کی حقیقت جانے بغیر ٹھکرانا منطقی سوچ اور عقلی تقاضے کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو جانے بغیر ہی اسے ناپسند کرنا اور انسان کی شخصیت، اخلاق، کردار اور کارناموں سے آگاہ ہونے سے پہلے ہی اس سے متنفر ہونا دانش مندی نہیں ہے۔ لوگوں کی

(۱) الزخرف: ۲۲

ظاہری شکل وصورت دیکھ کر یا رنگ ونسب پر نگاہ ڈال کر ان کی حیثیت کا اندازہ لگانا قطعاً درست نہیں ہے۔

انسانی فطرت کے اس پس منظر میں جن لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف دشمنی وعداوت کا جھنڈا بلند کیا اور تاریخ انسانی میں سخت ترین ایذا رسانی کی مثال قائم کی، حالاں کہ انھوں نے نہ محمدؐ کو جانا تھا، نہ آپؐ کی شخصیت کو پڑھا تھا، نہ آپؐ کے اخلاق کو برتا تھا اور نہ آپؐ کے کارناموں کے بارے میں معلومات حاصل کیں، بلکہ دین اسلام کے خلاف دشمن میڈیا کے غلط پروپیگنڈے کے نتیجے میں معاندانہ رویہ اختیار کرلیا، یا انھوں نے خود کو اسلام کا مدعی سمجھنے والے اس مجرم ٹولے کو دیکھ کر یہ موقف اختیار کیا جو خوں ریزی کرتا ہے، امن پسندوں کو خوف میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر اسی موقف کو انھوں نے اسلام سے جوڑ دیا۔

اس کتاب کا مقصد محمدؐ کی شخصیت سے متعارف کرانا ہے۔ یہ کتاب آپؐ کے اخلاق و اوصاف، انسان حیوانات، جمادات، عورت، بچے اور دیگر مذاہب کے تئیں آپؐ کے رویہ کا بالکل قریب سے تعارف کراتی ہے اور انسانی حقوق اور دنیا جس معیاری اخلاق کی اس دور یا کسی دور میں متقاضی ہے انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے بارے میں محمدؐ کے رہ نما خطوط سے آشنا کراتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اس کے افادیت کے دائرے کو وسعت عطا کرے اور اس کے بندوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

عبدالحمید جاسم البلالی

(کویت)

کچھ محمدؐ کی زندگی کے بارے میں

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق واوصاف کے تذکرے سے پہلے آپؐ کے حالات زندگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ ہم کس ذات گرامی کا تذکرہ کرنے جا رہے ہیں۔

نام نامی: **محمدؐ**

والد کا نام: عبداللہ

والدہ کا نام: آمنہ بنت وہب

دادا کا نام: عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ

اس طرح آپؐ کا شجرۂ نسب نبی برحق اسماعیل علیہ السلام اور نبی معظم ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا ہے۔

جائے پیدائش

آپؐ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ جس سال ابرہہ نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے ذریعہ چڑھائی کی وہ سال ''عام فیل'' (ہاتھیوں کا سال) کہلایا۔ عیسوی سال ۵۷۱ تھا، دوشنبہ کی رات تھی۔ ۱۲/ربیع الاوّل بہاروں کی برسات تھی۔

سماجی حالت

آپؐ حالت یتیمی میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا

جب آپ اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کے بطن میں تھے۔ ابھی آپؐ کی عمر صرف چھ سال تھی کہ ماں کی ممتا سے محروم ہو گئے۔ پھر آپؐ کی کفالت دادا عبدالمطلب کرنے لگے، جن کا انتقال اس وقت ہو گیا جب آپؐ کی عمر کی آٹھویں بہار تھی۔ اس طرح آپؐ چچا ابو طالب کی کفالت میں آ گئے اور سن شعور کو پہنچنے تک وہ برابر آپؐ کی کفالت کرتے رہے۔

اخلاقی اوصاف

قبیلہ قریش میں آپؐ کی سچائی وامانت داری کا چرچا تھا۔ آپؐ کا نام ہی ''صادق وامین'' پڑ گیا تھا۔ آپؐ کی امانت داری کی وجہ سے لوگ آپؐ کے پاس امانتیں رکھتے تھے۔ اور یہ سلسلہ نبوت کے بعد بھی جاری رہا۔

نبوت سے پہلے آپؐ کو تنہائی و یکسوئی اچھی لگنے لگی اور آپؐ ''حرا'' نامی پہاڑ پر جا کر خلوت کی گھڑیاں گزارنے لگے۔ آپؐ بڑے دانا وزیرک تھے۔ جب کعبہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کو نصب کرنے کے بارے میں تمام قبیلوں میں اختلاف ہوا کہ کون رکھے گا، اس لیے کہ یہ بڑا اعزاز تھا، ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے حاصل ہو۔ اس کٹھن گھڑی میں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے سب نے آپؐ کو فیصل بنایا۔ آپؐ کے فیصلے سے سب کے دل باغ باغ ہو گئے۔ آپؐ نے یہ تجویز رکھی کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر قبیلے کا ایک نمائندہ چادر کے ایک کونے کو پکڑے، تاکہ حجر برداری کا شرف سب کو حاصل ہو جائے۔ اسی طرح آپؐ کی وفاداری، پاک دامنی اور پاکیزگی کا ہر کوئی دم بھرتا تھا۔

شادی

عمر کی پچیس بہاریں دیکھنے کے بعد آپؐ نے قریش کی ایک مال دار، شریف، بلند اخلاق، شائستہ اطوار و عالی نسب خاتون سے شادی کی، جن کا نام سیدہ خدیجہؓ ہے۔ وہ خویلد کی صاحبزادی تھیں۔ انھوں نے آپؐ کی بلند صفات کے بارے میں سنا اور اپنی دولت میں آپؐ کے ذریعہ تجارت کرائی تو تجربہ حیران کن حد تک کامیاب رہا۔ اس دوران آپؐ کی امانت

وصداقت کا براہ راست تجربہ ہوا تو شادی کی پیش کش کی جو منظور ہوئی۔ سیدہ خدیجہؓ ہی سے آپؐ کی ساری اولاد (لڑکے ولڑکیاں) پیدا ہوئیں۔

نبوت سے سرفرازی

جب آپؐ کی عمر چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبی ورسول بنایا اور جب آپؐ نے اپنی قوم کے لوگوں تک یہ خبر پہنچائی تو سب آپؐ کے مخالف ہو گئے۔ بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرنے پر جمے رہے۔ اس خوف وہراس کے ماحول میں بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لائے، ان میں بھی زیادہ تعداد غلاموں کی تھی۔

مخالفت کا دور

جب آپؐ نے اپنی قوم کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچایا تو انھوں نے اس پیغام کو صرف ٹھکرا دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپؐ کے اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کے خلاف ہر طرح کا اعلان جنگ کر دیا۔ آپؐ کے پیروکاروں کو ہر طرح ستایا جانے لگا، قتل کیا جانے لگا، ان پر حالات تنگ کر دیے گئے، دھمکیاں دی جانے لگیں، کبھی دل لبھانے والی چیزوں سے مائل کیا جاتا۔ آپؐ کے قدموں میں سرداری، دولت اور عورتیں پیش کرنے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن آپؐ نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے، تاکہ اللہ کا پیغام وہاں کے لوگوں تک پہنچائیں۔ آپؐ تمام قبیلوں اور خاندانوں تک اسلام کی باتیں برابر پہنچاتے رہے، لیکن لوگ منہ موڑتے رہے، البتہ مدینہ کی ایک جماعت ماننے کے لیے تیار ہو گئی۔ آپؐ کی مدد کے لیے آمادہ ہو گئی اور آپؐ کے دین کو اختیار کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔

ہجرتِ مدینہ

مدینہ کی ہجرت درحقیقت اسلامی ریاست کے قیام کا آغاز ہے۔ مدینہ میں آپؐ کوئی طرح کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ منافقوں کا گروہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دیگر مذاہب کے کچھ ماننے والے بھی میدان میں آ گئے۔ لیکن آپؐ نے ان کے ساتھ انتہائی بلند اخلاق کا ثبوت دیا۔ عفو

ودرگزر سے کام لیتے رہے اور بقائے باہم کے اصول پر گامزن رہے۔

اس کے برعکس مخالفین کا رویہ معاندانہ رہا اور وہ دشمنی کے اظہار اور قریش کا ساتھ دینے سے باز نہ آئے۔ اور آپؐ کی تحریک کو کچلنے کے درپے رہے۔ پھر تو کئی معرکے گرم ہوئے، لڑائیاں ہوئیں اور افرادی قوت کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود فتوحات حاصل ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے فضا آپؐ کے حق میں سازگار ہوگئی اور آپؐ کی تحریک کو قوت مل گئی۔ آپؐ نے نئی حکومت کی بنیاد رکھنی شروع کردی اور اس کا اخلاقی فریم ورک تیار کیا۔ یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منفرد ویکتا قائد تھے اور آپؐ نے مدینہ منورہ کے گیارہ سالہ مدت قیام میں ایک مثالی معاشرہ تیار کردیا۔ جس معیاری شہر کا ارسطو نے خواب دیکھا اس سے کہیں زیادہ معیاری شہر اور سماج وجود میں آگیا۔ عرب کے سارے قبیلے آپؐ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور آپؐ نے دنیا کے سربراہوں سے مراسلت فرمائی، انھیں دعوت اسلام دی اور کلمۂ حق کی طرف بلایا۔

وفات

جب آپؐ کی عمر ۶۳ سال ہوئی تو وقت موعود آگیا۔ آپؐ کی وفات سے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن آپؐ اپنے پیچھے سرکردہ افراد چھوڑ گئے جو پورے عالم پر چھا جانے میں کامیاب ہوئے اور اس دور کی دو بڑی سلطنتیں روم و فارس ڈھیر ہوگئیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کی حالتِ زار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ۵۷۱ سال بعد دنیا انسانیت کے باب میں بھٹک رہی تھی، ہوش کھو بیٹھی تھی، ظلم و جہالت کا بازار گرم تھا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ تھا، دنیا ایسی روشنی کے انتظار میں تھی جو ہر سو پھیلے ہوئے اندھیرے کو روشنی میں بدل دے۔

اگلے صفحات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت جزیرۃ العرب میں بسنے والے قبائل کی صورت حال پر روشنی ڈالیں گے اور اس کے بعد اس زمانے کی نمایاں حکومتوں اور تہذیبوں کا بھی تذکرہ کریں گے۔

(۱) جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب کے عرب قبائل تین حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک رومی ریاست کے وفادار تھے اور غسانی کہلاتے تھے۔ کچھ لوگ ایرانی حکومت کے باج گزار بن گئے تھے، ان کے سوا باقی جتنے قبیلے تھے وہ کسی بیرونی حکومت کے زیرِ اثر نہ تھے، نہ کسی سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ یہ لوگ نجد اور آس پاس کے صحرائی علاقے اور مکہ و مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی اکثریت بت پرست تھی اور بلا کے مے نوش تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ انھیں (دشمن کے ہاتھوں) ان کی اسیری کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ ان لوگوں میں جوا، بدکاری اور غلامی عام تھی۔ اس جاہلی دور کا حال اس قدر دردناک تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹے سوتیلی ماؤں کے وارث بن جاتے۔ اور

بھی نہ جانے جاہلیت نے کتنے بال و پر نکال رکھے تھے۔

اس دور کے عرب فقر و فاقہ کے اندیشے اور کفالت پر عدم قدرت کی وجہ سے بچے اور بچیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لیے جنگیں لڑتے اور حملے کرتے تھے۔ یہ برائیاں ایک طرف لیکن ان کے اندر بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ وہ سچ بولتے تھے، شریفانہ طور طریقے رکھتے تھے، ایفائے عہد کے پابند تھے، پڑوسی کی عزت کرتے تھے، صبر و تحمل کے خوگر تھے اور شجاعت و دلیری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ محرم عورتوں سے بدکاری کو حرام سمجھتے تھے اور بھی دیگر عمدہ صفات سے مالا مال تھے۔

(۲) رومی سلطنت

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں رومی سلطنت اور اس کی ساری ریاستیں معاشرتی برائیوں اور اخلاق گراوٹ کی انتہائی پستی تک پہنچ چکی تھیں۔ سیل کے بقول ''انصاف ایک معمولی سامان کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا، بھاؤ تاؤ ہوتا اور رشوت وخیانت پر عوام کی طرف سے داد ملتی تھی''۔ (۱)

''گبن'' کہتا ہے کہ چھٹی صدی کے اخیر تک رومی سلطنت زوال اور پستی کے آخری درجہ کو پہنچ گئی، جب کہ اس کی مثال ایک سایہ دار درخت کی تھی اور اقوام عالم اس کے سایہ میں پناہ لیتی تھیں، اس میں سوائے اس تنے کے کچھ نہیں بچا جو دن بہ دن مرجھا رہا تھا۔ (۲)

عالمی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے مؤرخین لکھتے ہیں کہ جن بڑی سلطنتوں کو تباہی نے تیزی سے آگھیرا اور دوبارہ کبھی وہ آباد نہ ہوئیں اور رونقیں واپس نہ لوٹیں ان کی مثال رومی ریاست ہے۔ وہ اس دور میں زبردست زوال کا شکار ہوئی اور یہ ہاہا کار بھاری ٹیکس اور محصولات اور کساد بازاری، پیداوار پر توجہ نہ دینے اور شہروں کی آبادی کی شرح گھٹنے سے مچی۔ (۳)

(۱) Sales Translation P.72/1986

(۲) The History of the Decline and Fall of the Roman Empire

(۳) The Historians'(History of the World V.vii p.175

رومی سلطنت کے زیرِ اثر مغربی یورپ پر جہالت کے سایہ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ شہنشاہیت اور نوکر شاہی کی بڑھتی اباحیت پسندی اور ظالمانہ رویہ نے بیڑا غرق کر دیا۔

رابرٹ بریفالٹ کہتا ہے: ''یورپ پر پانچویں صدی سے دسویں صدی تک ایک سیاہ ترین رات چھائی رہی اور رات کی یہ ظلمت وتاریکی روز بروز بڑھتی رہی۔ اس دور کی وحشت ناکی عہدِ قدیم کے مقابلے میں زیادہ ہول ناک اور تباہ کن تھی اس لیے کہ یورپ بڑی تہذیب کی سڑی بدبودار لاش کے مشابہ ہو چکا تھا۔ اس تہذیبی دور کی اچھائیاں مٹ چکی تھیں، اسے زوال سے دوچار کر دیا تھا۔ حالاں کہ بڑے خطے اور وسیع علاقے میں یہ تہذیب پروان چڑھی تھی اور ماضی میں اٹلی وفرانس کی طرح عروج کو جا پہنچی تھی، لیکن تباہی، لاقانونیت اور بربادی کا شکار ہو گئی۔

(۳) ایرانی سلطنت

رومی سلطنت کے بعد ایرانی سلطنت ہی دوسری بڑی طاقت تھی جس کا سکہ پوری دنیا پر چلتا تھا۔ رومی اور ایرانی سلطنتوں میں یہ فرق ضرور تھا کہ رومی سلطنت اہل کتاب تھی، مقدس کتاب سے آشنا تھی، حلال وحرام کی تمیز رکھتی تھی، اخلاقیات اور عائلی قوانین سے واقف تھی، اچھے اخلاق وکردار پر گامزن تھی۔ اس کے برخلاف ایرانی حکومت اہل کتاب نہ تھی، بلکہ وہاں کے لوگ آتش پرست تھے۔ وہ نہ حلال وحرام کی پابندیوں سے واقف تھے، نہ خاندانی وسماجی تعلقات برتنے کے اخلاقی اصولوں سے آگاہ تھے۔ اسی لیے پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں رومی سلطنت کے اخلاقی زوال کے مقابلے میں ایرانی سلطنت کا اخلاقی زوال زیادہ تھا۔ اس بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ ایرانی بادشاہ یزدگرد ثانی (پانچویں صدی عیسوی کے نصف کا حکم راں) نے اپنی بیٹی سے شادی کی، پھر اسے قتل کر دیا۔(۱) اور چھٹی صدی عیسوی کا حکم راں بہرام شاہ اپنی بہن سے شادی کیے ہوا تھا۔ (۲)) یہ لوگ محرم

(۱) Historans History of The World V.8, P.84

(۲) تاریخ طبری ۱۳۸/۳

خواتین کی حرمت وحلت کے بارے میں بے راہ روی کا شکار تھے۔ وہ فتق کے بیٹے مانی (جو ان کا مفکر تھا) کی پیروی کرنے لگے، کیوں کہ فتق عام لوگوں کی طرح ہیکل جاتا تھا۔ اس نے ہیکل سے غیبی آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی: ''فتق فتق! گوشت خوری وشراب نوشی سے باز آجاؤ اور شادی بالکل نہ کرو۔''(۱) مانی کی نشو ونما آبائی دین پر ہوئی، لیکن جب وہ بارہ سال کا ہوا تو اس نے دعویٰ کیا کہ اس کے پاس وحی آئی ہے کہ آبائی مذہب سے کنارہ کش ہوجاؤ کیوں کہ وہ تمہارے شایان شان نہیں ہے، خواہشات چھوڑ کر پاک صاف بن جاؤ۔ (۲) ان اقدامات سے اس کا مقصد ملک میں رائج شہوت پرستانہ نظام کا مقابلہ کرنا تھا، اس نے لوگوں سے کنوارہ رہنے کی اپیل کی اور شادی ممنوع قرار دینے کی تجویز رکھی تاکہ پھیلے ہوئے فساد اور شرور وفتن پر قدغن لگائی جائے۔ خاتمہ میں عجلت ہو، نسل کشی کے ذریعہ ظلمت وتاریکی کے خلاف روشنی غالب آسکے۔ لوگ اس کے مخالف ہوگئے اور اس کا سر قلم کردیا۔ اور ''مانی'' کی فکر وفلسفہ کے خلاف ردّعمل میں ایک نئے فلسفہ کو اپنالیا۔ یہ فلسفہ مزدک نے پیش کیا تھا۔ اس نے مطلق اباحیت کا نظریہ پیش کیا۔ وہ آپسی اختلاف، باہمی دشمنی اور قتل وغارت گری سے روکتا تھا۔ چوں کہ یہ سارے فتنے عورت ودولت کی وجہ سے برپا ہوتے ہیں، اس لیے عورتوں کے ساتھ زنا وبدکاری کو حلال اور ہر طرح کی دولت ومال کو مباح قرار دیا اور پانی، آگ اور چارہ کی طرح عورت ودولت کو بھی مشترکہ حق قرار دیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ اس نے کچھ لوگوں کو تختۂ دار پر اس لیے چڑھادیا تاکہ وہ تنگ زندگی اور ظالمانہ مزاج سے نجات پاسکیں۔ (۳)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''ایران کے سلاطین کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا۔ وہ اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ اہل ایران بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے۔''(۴)

(۱) ابن خلدون: ۱/۲۵۶ (۲) ابن خلدون: ۱/۲۵۶ (۳) الملل والنحل: ۲/۲۷۶

(۴) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۴۲، ۴۳

(۴) چینی سلطنت

ان سلطنتوں کی طرح چین کی صورت حال بھی زیادہ اچھی نہ تھی۔ایک فلسفی لاؤزی تھا، جس کو تاؤمت کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔اس کے پیروکاروں نے ایسی زاہدانہ زندگی اختیار کی کہ شادی کی سوچ کو کھرچ پھینکا، عورتوں سے ملنا جلنا بلکہ ان کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ پھر حشر یہ ہوا کہ جیسے ہی لاؤزی مرا، اس کے ماننے والوں نے اس کا مذہب چھوڑ دیا۔اور دیگر مذاہب کے پیرو بن گئے۔

اس کے بعد دوسرا فلسفی، کنفیوشس اٹھا۔اس نے معلم وحکیم کی حیثیت سے شہرت پائی اور سماج وافراد کے درمیان معاشرتی تعامل کے نظریہ کی بنیاد ڈالی۔اس کے ماننے والوں نے اس کی تعلیمات کو کتابی شکل دی اور اس کا نام ''لُن یؤ' (Lun-yu) رکھا جو ''گل دستہ تحریر'' کے معنی میں ہے۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: اس کے ماننے والے کسی ایک وقت میں کسی ایک معبود کی پرستش کے قائل نہ تھے۔درخت یا دریا جسے چاہتے پوجتے۔اس میں یقین کی روشنی، ایمان کا جذبہ تھا نہ آسمانی شریعت کا کوئی شمہ تھا، بس فلسفی کی دانائی، تجربہ کاروں کے تجربے ساری پونجی تھی۔

اس کے بعد بدھ مت آیا اور اس نے پہلے مذاہب کا صفایا کر دیا۔

(۵) ہندوستان

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی صورت حال کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''ہندوستان کے مؤرخین کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے جو زمانہ شروع ہوتا ہے وہ مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی لحاظ سے اس ملک کی تاریخ کا (جو کسی زمانہ میں علم وتمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز رہا ہے) پست ترین دور تھا، ہندوستان کے اردگرد

دوسرے ممالک میں جو اجتماعی اور اخلاقی انحطاط رونما تھا، اس میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ خصوصیات تھیں جن میں اس ملک کو شان یکتائی حاصل تھی۔ ان خصوصیات کو تین عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

۱-معبودوں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت۔

۲-جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت۔

۳-طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات۔''(۱)

ہندوستان میں پانچویں چھٹی صدی میں جو طبقاتی نظام تھا وہ قابل ذکر ہے۔ حتیٰ کہ اس کے اثرات اس دور میں بھی محسوس کیے جاتے ہیں۔ طبقاتی نظام کے سلسلے میں عمران حمادہ لکھتے ہیں: ''پیدائش مسیح سے تین سو برس پہلے ہندوستان میں برہمنی تہذیب عروج پر تھی۔ اس وقت نئے قانون کی ترتیب وجود میں آئی اور تمام اہل ملک نے بالاتفاق اسے قبول کیا اور اس نے بہت جلد ملکی قانون اور ایک مذہبی دستاویز کی شکل اختیار کر لی۔ یہ وہی قانون ہے جس کو ہم آج ''منوشاستر'' کے نام سے جانتے ہیں۔

منوشاستر کے پہلے باب میں باشندگانِ ملک کو چار زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) برہمن

(۲) چھتری

(۳) ویش

(۴) شودر

منوشاستر میں لکھا ہے کہ قادر مطلق برہما نے دنیا کی بہبودی کے لیے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں سے اور اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا۔

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص: ۴۸، ۴۹

(۱) برہمن

برہمن کی پیدائش سب سے پاکیزہ ومعزز عضو منہ سے ہوئی اس لیے وہ سارے زمرے میں امتیازی شان رکھتے ہیں اوران کو امتیازانہ حقوق حاصل ہیں۔ وہ تمام طبقات بلکہ ساری مخلوقات سے بہتر ہیں، اسی لیے ان برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم وقرأت، قوانین کی تشریح، دیوتاؤں کے چڑھاوے اوردان دینے لینے کو ان کے ساتھ خاص کردیا گیا اور دنیا کی ہر چیز ان کی ملکیت قراردی گئی۔ برہمن کو حق ہے کہ وہ چوری کرے، سارے گناہ کرے، کیوں کہ وہ اپنا حق کھاتا ہے، اپنا مال کھاتا ہے اور پہنتا ہے، اپنا ہی مال دان کرتا ہے اوراس کی نظر کرم سے دوسرے لوگ گزربسر کرتے ہیں۔

برہمن جس مجلس میں شریک ہوتا ہے، اس مجلس کے حاضرین کے ساتھ ان کی اگلی سات نسلوں اور پچھلی سات نسلوں کو پاک کردیتا ہے۔

برہمنوں کے تئیں بادشاہ کی ذمہ داری کے بارے میں کہا گیا: بادشاہ برہمن کے خلاف سخت ترین حالات میں بھی غیظ وغضب کا مظاہرہ نہ کرے۔ اگر بادشاہ نے ایسا کیا تو وہ لاؤلشکر اور سواریوں سمیت برباد ہوجائے گا۔ اسی طرح برہمنوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر چھتری ان سے بڑھنے کی کوشش کریں، (بادشاہ چھتری ہوتا ہے) تو انھیں اوقات میں رکھیں۔ اس لیے کہ چھتری برہمن سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۲) چھتری

برہما نے چھتریوں کو اپنے بازوؤں سے پیدا کیا اور بازو طاقت اور جنگ کی علامت ہے، اس لیے بادشاہ اور سپاہ چھتری ہوں، اس لیے چھتریوں کی بنیادی ذمہ داری عوام وملک کی حفاظت ودفاع قرار پائی۔ اس کے علاوہ وہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہیں کرسکتے۔ چھتریوں کو وید پڑھنے کا حق اس شرط کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ کسی کو وید کی تعلیم نہیں دیں گے، کیوں کہ یہ حق صرف برہمنوں کا ہے۔

(۳) ویش

ویش کو برہمانے اپنی رانوں سے پیدا کیا،جن کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ پیشہ وارانہ طور پر معاش کا انتظام کریں، زراعت کریں اور مویشی پالیں۔ اس لیے کہ خالق کائنات نےمخلوقات کی پیدائش کے وقت برہمنوں اور چھتریوں سے جس طرح عہد لیا، اسی طرح مویشیوں کی پرورش کا عہد ویش کے ذمہ کیا۔ ویش کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ فن زراعت کی باریکیوں، بیج کی قسموں، زمین کی زرخیزی وخرابی سے واقف ہو، ناپ تول کے پیمانے سے باخبر ہو،مزید برآں ہیرے جواہرات،موتی مونگے،لباس جوڑےاور(لوبان وصندل)عطریات کے بھاؤ سے آشنا ہو۔

(۴) شودر

برہمانے اپنے پیروں سے شودر کو پیدا کیا۔ ہندوستانی سماج میں اس قانون کے تحت یہ سب سے پست درجہ کا طبقہ ہے۔ برہمن وچھتری کی خدمت کرنا اس کا فریضہ ہے۔ برہمنوں کا حکم بجالانا اوران کے اشاروں پر چلنا ہی ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ان کی خدمت قابل ستائش عمل ہے۔اگر شودر اپنے سے اونچی برادری کے کسی فرد پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔اگر شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اس کے سرین کو دغوا دے اور اسے ملک بدر کردے، یا اس کے سرین کو زخمی کرادے۔اگر کوئی شودر کسی برہمن خاتون کی آبرو پر حملہ آور ہوتا تو پھر کیا تھا،غضب کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور ہر طرح کی انتقامی کارروائی روا ہوتی اور ایسی سزا دی جاتی جو کسی مرد وعورت کو نہ دی گئی ہو۔

اچھوت

ہندوستانی باشندوں کی ایک اور قسم ہے جس کا تذکرہ مذکورہ بالا چار طبقوں میں نہیں کیا گیا اور اس کے بارے میں تاریخ سے بھی کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب وجود میں آئی۔ وہ ہے اچھوت اور یہی بھارت کے حقیقی باشندے ہیں۔ان کا تعلق آریہ نسل سے نہیں

ہے، انھیں ہندوستانی نیگرو کہا جاتا ہے۔ ہندوستانی سماج نے ان کو انسانی حقوق سے محروم کررکھا ہے اوران کو جانوروں سے زیادہ حقیر مانتے ہیں۔ انھیں ہندومذہب اپنانے یا ہندورسم ورواج کے مطابق پوجا کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے ان کا مذہب سادہ قوموں کی طرح روح کی پرستش کے مشابہ ہے۔(۱)

رسالت نبویؐ کے مقاصد

پانچویں صدی عیسوی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس زمانے میں بھی عرب قبیلوں میں انسانی اخلاق واقدار کے بچے کھچے اثرات (سچائی اور بہادری) باقی تھے، اسی طرح اس وقت کی دنیا سے انسانیت کے نمونے رخصت نہ ہوئے تھے، لیکن یہ ساری خوبیاں سماجی دشواریوں کا حل نہ تھیں اور معمولی معمولی باتوں پر معصوموں کا خون روکنے کی ان میں صلاحیت نہ تھی۔ نہ ان میں یہ صلاحیت تھی کہ سارے جہاں میں بڑے پیمانے پر رائج مظالم کا سدباب کرسکیں۔ ان حالات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

آپؐ کی بعثت انسانیت کی باقی ماندہ قدروں کو باقی رکھنے اوران کی تکمیل کرنے کے لیے ہوئی۔ محمد عربیؐ کی بعثت کا بنیادی مقصد اخلاقیات کا تحفظ ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

إنما بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ صالحَ الأخلاقِ (۲)

”میں تو اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔“

دوسری حدیث میں ہے:

إنَّ مِن أحبِّكم إليَّ وأقربِكُم منِّي مجلسًا يومَ القيامةِ أحاسنَكُم أخلاقًا ، وإنَّ مِن أبغضِكُم إليَّ وأبعدِكُم منِّي يومَ القيامةِ الثَّرثارونَ والمتشدِّقونَ والمتفَيهِقونَ، قالوا : يا رسولَ اللهِ، قد علِمنا الثَّرثارينَ والمتشدِّقينَ فما

(۱) India-55 blogshot.com / view= sidebar

(۲) بخاری نے روایت کیا۔ الادب المفرد، البانی نے صحیح کہا الصحیحة:۴۵

المتفَیهقونَ؟ قالَ: المتَکَبِّرونَ۔ (۱)

”قیامت کے دن میرے محبوب ترین اور نزدیک ترین لوگوں میں تمہارے وہ افراد بھی شامل ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں، اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ نفرت والے اور روز قیامت مجھ سے سب سے دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول بولنے والے، گفتگو کے لیے باچھوں کو موڑنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں۔ صحابہ نے پوچھا: ہم ثرثارون (فضول گو) اور متشدقون (باچھیں موڑ کر بات کرنے والے) کا معنی و مطلب تو جانتے ہیں، لیکن **متفیقھون** سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تکبر کرنے والے۔“

ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے:

مَا مِنْ شَیءٍ فِی المیزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ (۲)

”(قیامت کے دن) میزان میں خوش خلقی سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی۔“

اسلام کا دارومدار اخلاق پر ہے، اور آپؐ کو بحیثیت رسول مبعوث کرنے کا بلند ترین مقصد ان اخلاقی اقدار کی تکمیل و تصحیح تھا، جو اس وقت موجود تھیں — تاکہ

- جہالت و ظلمت، علم و روشنی میں بدل جائے۔
- ظلم کا خاتمہ اور انصاف کا بول بالا ہو۔
- پس ماندگی دور ہو اور ترقی آئے۔
- سختی کی جگہ نرمی پیدا ہو۔
- قطع رحمی صلہ رحمی میں تبدیل ہو جائے۔
- سرکشی نیکی میں بدل جائے۔

(۱) ترمذی، البانی نے صحیح کہا، ۲۰۱۸

(۲) احمد، البانی نے صحیح کہا، **الصحیحۃ**: ۸۷۶

رسول اور انصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے وقت دنیا کے حالات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے کہ ظلم وناانصافی نے پوری دنیا کو جکڑ لیا تھا، جس پر قدغن لگانی ضروری تھی اور ظلم کا خاتمہ کر کے انصاف قائم کرنا لازمی تھا۔ بلاشبہ یہ مہم رسالت کے مقاصد میں شامل تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کردہ اخلاقیات کے باب میں سرفہرست تھی۔

انصاف قرآن میں

قرآن کریم میں کئی آیتیں انصاف کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ (۱)

”مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔“

فرمان الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

(۱) النساء: ۵۸

اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ‌ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا
فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ قف فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا‌ ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ
تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۳۵﴾ (۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ وَلَا
يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا‌ قف هُوَ اَقۡرَبُ
لِلتَّقۡوٰى‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ (۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دُشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پُوری طرح باخبر ہے۔''

(۱) النسآء: ۱۳۵

(۲) المائدہ: ۸

انصاف احادیث میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ اور بعد میں اپنے پیروؤں کے دلوں میں انصاف کی اہمیت اور قدر و قیمت کو جاگزیں کرنے کے لیے کثرت سے احادیث بیان فرمائی ہیں۔ آپؐ کے فرامین میں سے ایک فرمان جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

إنَّ المُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ علَى مَنابِرَ مِن نُورٍ، عن يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عزَّ وجلَّ، وكِلْتا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ في حُكْمِهِمْ وأَهْلِيهِمْ وما ولوا (۱)

''رحمٰن کے دونوں جانب نور کے منبر پر انصاف کرنے والے جلوہ افروز ہوں گے جو منصفانہ فیصلے اپنے گھرانے اور ماتحت لوگوں میں کرنے کے خوگر تھے۔ (واضح رہے کہ اللہ کے شایان شان دونوں ہاتھ مبارک ہیں۔)''

اسی سلسلے کی روایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

السبعة الذين يظلهم الله في ظله يوم القيامة اوّلهم إمام عادل۔ (۲)

''(رسول اللہؐ نے جن سات لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ) قیامت کے دن جب کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوگی، ان میں اولین ذکر انصاف پسند حکمراں کا ہے۔''

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جنتیوں کا امتیازی وصف عدل وانصاف ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ،

(۱) مسلم: ۱۸۲۷ (۲) بخاری: ۶۸۰۶

وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ، وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُو عِيَالٍ (۱)

”جنتی تین ہوں گے۔ ایک عادل حکم راں، دوسرے باتوفیق صدقہ دینے والے، تیسرے رشتہ داروں اور مسلمانوں کے لیے رحم دل، پاک دامن صاحب اہل وعیال۔“

رسول اللہؐ کی زندگی میں انصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ان اعلیٰ اخلاق کی عملی ترجمان تھی جن کی آپؐ دعوت دیتے تھے۔ آپؐ جس اخلاق کی دعوت دیتے تھے، خود اس کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ ان بلند اخلاق میں ایک امتیازی صفت عدل ہے۔

مخزومی خاتون کا واقعہ

قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی مخزوم ہے۔ مخزومیہ خاتون جس نے چوری کی تھی، اس کے معاملہ نے قریش کو فکر میں ڈال دیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کون کرے۔ آخر یہ طے پایا کہ اسامہ بن زید آپؐ کو بہت عزیز ہیں ان کے سوا اور کوئی اس کی ہمت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسامہ نے آپؐ سے اس بارے میں بات کی، تو آپؐ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتے ہو۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا (جس میں) آپؐ نے فرمایا: ”پچھلی بہت سی امتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں“۔ (۲)

(۱) مسلم: ۲۸۶۵ (۲) بخاری: ۳۴۷۵

اس مخزومی خاتون کا اس دور کے عرب قبائل میں بڑا اثر ورسوخ تھا۔ بیت اللہ کے خدام اسی قبیلے کے ہوتے تھے۔ وہ لوگ اس کی گنجائش ہی نہیں سمجھتے تھے کہ ایک شریف خاتون پر چوری کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کی حد جاری ہو، عام مجمع میں سزا نافذ کی جائے اور عرب کے تمام قبیلوں میں مشہور ہوجائے کہ قریش کی ایک شریف مخزومی خاتون نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ کتنی شرم کی بات ہے اور اس معزز قبیلے کی توہین ہے، اس لیے یہ لوگ بے چین ہوکر ایسے شخص کی تلاش میں تھے جو اس مقدمہ کے بارے میں حضورؐ سے بات کرے کہ سزا یا تو ختم کردی جائے یا کم کردی جائے۔ ان سب کی نظر انتخاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ شخصیت اسامہ پر پڑی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا رکھا۔ مدعا سنتے ہی آپؐ غضب ناک ہوگئے اور جس عدل کا پیغام لے کر آپؐ امت کے پاس آئے تھے، اسی عدل کے منافی درخواست کو آپؐ نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اسلامی عدل چھوٹے بڑے، غلام وآقا میں امتیاز نہیں کرتا، اس عظیم نظام عدل کو بے اثر کرنے کے لیے اسامہ کی دخل اندازی اور ان کا واسطہ بننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حیرت ناک تھا۔ حضورؐ ان سے مخاطب ہوئے: اسامہ، اللہ کی بنائی ہوئی ''حد'' کے بارے میں تم سفارشی بن کر آئے ہو؟ اسی جملے پر آپؐ نہ رُکے، بلکہ آپؐ نے ضروری سمجھا کہ عادلانہ نظام اور نئے معاشرتی نظام میں اس کی اہمیت پر بھرپور روشنی ڈالی جائے، کیونکہ یہ قوموں اور تہذیبوں کی بقا وارتقا کے بنیادی اصولوں میں داخل ہے۔ اگر انصاف نہ ہو تو قومیں اور تہذیبیں بحران کا شکار ہوجاتی ہیں۔

قوموں کی بربادی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب عدالتی نظام بحران کا شکار ہوتا ہے اور واضح رہے کہ عدالتی نظام امیروں اور غریبوں کی اولاد یا عوام کے درمیان کسی تفریق کا قائل نہیں ہے۔ لوگوں کے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی واضح اور دوٹوک مثال پیش فرمائی کہ اگر محمد کی بیٹی بھی چوری کرتی تو قانون عدل اس پر بھی نافذ ہوتا۔ یہ ہے اسلام، یعنی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

———————

رسول اور مساوات

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں عالمی سماج اور تہذیبیں آقا اور غلام، کالے اور گورے، مرد اور عورت کے درمیان تفریق و امتیاز سے بھری پڑی تھیں، جس کے نتیجے میں ہر طرف ظلم عظیم پھیل چکا تھا۔ ان امتیازات کو روکنے کے لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بانگ دہل مساوات کے بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ معاشرہ کی اس کجی کو درست کرنے کے لیے قرآن کریم کی کئی آیتوں میں ان تعلیمات کا ذکر موجود ہے۔

مساوات قرآن کریم میں

مرد و عورت کے درمیان امتیازی برتاؤ کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ جزا وسزا کے ضمن میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (۱)

''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اُسے ہم دُنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو اُن کے اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔''

اسی پس منظر میں سورۂ آل عمران میں آیا ہے:

(۱) النحل: ۹۷

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ (۱)

''جواب میں ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔''

مرد و عورت دونوں جنس قیامت کے روز مغفرت و بدلہ پانے میں یکساں حیثیت کے ہوں گے۔ سورۂ احزاب میں ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ
وَالصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ
وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً

(۱) آل عمران: ۱۹۵

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴿۳۵﴾ (۱)

’’بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔‘‘

سارے انسانوں کی اصل آدم علیہ السلام ہیں اور آدم کی اصل مٹی ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①(۲)

’’لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دُنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دُوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلّقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔‘‘

قیامت کے دن مال و دولت، حسب و نسب، تعلیمی اسناد، سماجی مقام و مرتبہ، جسمانی قوت اور جسمانی خوب صورتی بدلہ پانے کا معیار نہیں ہوں گی، بلکہ اس کی کسوٹی تو صرف پرہیزگاری ہوگی۔ اللہ نے فرمایا:

(۱) الاحزاب: ۳۵ (۲) النساء: ۱

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (۱)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

مساوات احادیث میں

ایک ایسے معاشرے میں جو تفریق و امتیاز کی بنیاد پر قائم تھا اس میں مساوات کے بنیادی اصول کی آبیاری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، لیکن آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ معاشرہ کی کامیابی اور نئی تہذیب کا وجود نسل پرستی کی بنیادوں کو ڈھائے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد ہی سماج کے مختلف طبقات میں مساوات کا تصور پیدا ہوسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عبية الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، والناس بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، لينتهين أقوام فَخْرَهُمْ برجال، أَوْلَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجِعْلَانِ الَّتِي تَدْفَعُ بِأَنْفِهَا النَّتِنَ (۲)

''لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے فخر و غرور کو دور کر دیا ہے۔ جو تم باپ دادوں پر کرتے تھے۔ اب دو قسم کے لوگ ہیں،

(۱) الحجرات: ۱۳ (۲) ابوداؤد: ۵۱۱۶، احمد: ۸۱۳۸، البانی نے حسن کہا۔

نیک و متقی اور فاجر و بد بخت ۔ لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی اصل
مٹی ہے، لوگ آبا و اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں، ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں
ایک حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے ۔''

رسول اللہؐ کی زندگی میں مساوات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ فرماتے اور جن تعلیمات کا حکم دیتے ان کو پہلے اپنی عملی زندگی کا حصہ بناتے ۔ آپؐ کی روزمرہ زندگی کا ایک واقعہ بتاتا ہے کہ آپؐ سے تعلق رکھنے والے دو لوگوں میں اختلاف ہوا ۔ ان میں ایک سیاہ فام بلال حبشیؓ تھے اور ایک سفید فام ابوذر غفاریؓ عرب کے بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ حضرت ابوذرؓ کو حضرت بلالؓ پر غصہ آ گیا اور سخت و تند لہجے میں انھیں یوں کہہ دیا: او کالی عورت کے بیٹے! بلال نے دربار رسالت میں نالش کی ۔ حضورؐ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: کیا تم نے اسے ماں کا طعنہ دیا ہے؟ تمہارے اندر ابھی جاہلیت کی خو بو باقی ہے ۔ تمہارے بھائی تمہارے خدمت گزار ہیں ۔ اللہ نے ان کو تمہارا دست نگر بنایا تو یاد رکھو، جس کا دست نگر اس کا بھائی ہو تو جو خود کھائے وہی اسے کھلائے، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے اور اس کی بساط سے زیادہ اس سے کام نہ لے ۔ اگر بھاری کام کرانا ہی پڑے تو اس کے ساتھ لگ جاؤ ۔ (۱) اس واقعہ میں نبی اکرمؐ نے حضرت ابوذرؓ کو یاد دلایا کہ جاہلی دور میں نسلی امتیاز اور فرقہ واریت کی سوچ رچی بسی تھی ۔ اس کے اثرات کا احساس ہو، تاکہ ان کو اپنے قصور کی سنگینی کا احساس ہو جائے ۔

حضورؐ نے عرفات کے منبر سے جو آخری خطبۂ حج دیا اس میں معاشرہ کی بقا کی بنیادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارے جد امجد ایک ۔ سن لو، کسی عربی کو کسی عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر فوقیت حاصل نہیں ہے ۔ ہاں معیار فوقیت تقویٰ ہے ۔'' (۲)

(۱) بخاری: ۳۰ (۲) بیہقی: ۷/۳۳/۵، ابونعیم، حلیۃ الاولیا: ۳/۱۰۰

آں حضورؐ سفر آخرت سے پہلے عوامی ملاقات میں مساوات و برابری کا اعلان فرما رہے ہیں۔ یہ سب سے بڑی مجلس اور سب سے بڑا ایوان ہے۔ اس میں جزیرۃ العرب کے تمام قبائل جمع ہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سننے کے لیے گوش برآواز ہیں۔

اسلام کی اہم ترین خصوصیت مساوات ہے۔ رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے، بلکہ امتیاز کا معیار ربانی منہج و راستے کو اختیار کرنا اور اس دین کی بنیادی تعلیمات کی پیروی ہے۔ اصول مساوات کے آگے رنگ و نسل، سماجی عہدے و مراتب اور القاب و آداب ڈھیر ہو کر رہ جاتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا:

وَمَن بَطَّأَ به عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ به نَسَبُهُ (۱)

''عمل کی سست رفتاری پر نسب کی تیزی غالب نہیں آسکتی۔''

---

(۱) مسلم: ۲۶۹۹

رسول اور تواضع

رسول بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو منتخب کرتے ہیں۔ وہ انسانی خوبیوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وہ کسی انسانی عیب کے شکار نہیں ہوتے کہ ان کی دعوت قبول کرنے میں کسی کو پس و پیش ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی انسان سے خود کو برتر یا کسی انسانی طبقے سے بہتر سمجھنا رسول کے معیار سے میل نہیں کھاتا، وہ اس لیے بھی کہ خودسری و خود پسندی کی حامل شخصیت کی بات کو لوگ قبول نہیں کرتے اور دعوت کے باب میں یہ بات بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ اسی لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم شخصیت میں تواضع کی صفت بہت نمایاں ہے۔

قرآن میں تواضع

قرآن نے کبر و نخوت سے روکا ہے اور تواضع و خاکساری کا حکم دیا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ (۱)

’’وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لیے مخصُوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔‘‘

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ

(۱) القصص: ۸۳

الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ (۱)

''زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔''

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ (۲)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

تواضع کی تعلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع وانکساری کا عملی نمونہ تھے۔ دوسروں کو بھی اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے اور انھیں ایسی خوبیوں کو اپنانے کا حکم دیتے کہ اپنانے والا لوگوں میں اچھی نگاہ سے دیکھا جائے اور لوگ اسے پسند کریں۔ آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ۔ (۳)

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ تواضع اختیار کرو، اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔''

حضورؐ نے فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ (۴)

''صدقے نے مال میں کبھی کوئی کمی نہیں کی اور معاف کرنے سے اللہ بندے کو عزت ہی میں بڑھاتا ہے۔''

(۱) بنی اسرائیل: ۳۷ (۲) لقمان: ۱۸
(۳) مسلم: ۲۸۶۵ (۴) مسلم: ۲۵۸۸

رسول اللہؐ نے بڑائی اور تکبر کے اظہار سے منع فرمایا:

لا يَدْخُلُ الجَنَّةَ مَن كانَ في قَلْبِهِ مِثْقالُ ذَرَّةٍ مِن كِبْرٍ قالَ رَجُلٌ: إنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أنْ يَكونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا ونَعْلُهُ حَسَنَةً، قالَ: إنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الجَمالَ، الكِبْرُ بَطَرُ الحَقِّ، وغَمْطُ النَّاسِ (۱)

''جس کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے عمدہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ خوب صورت ہے اور وہ خوب صورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر کا مطلب ہے کہ حق کو ہٹ دھرمی کے ساتھ نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''

اس کے بعد آپؐ نے جہنمیوں کی تین بڑی خصلتیں ذکر کیں۔ آپؐ نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ (۲)

''کیا میں تم کو جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر تند خو، سرکش اور متکبر شخص جہنمی ہے۔''

رسول اللہؐ کی زندگی میں تواضع

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ تواضع وانکساری کی ہمہ جہت مثال تھی۔ عام لوگ ہوں، بچے، عورتیں اور غلام ونوکر چاکر ہوں، بڑے ہوں، چھوٹے ہوں سب کے ساتھ برتاؤ میں تواضع کی حلاوت اور انکساری کی لطافت شامل ہوتی۔

تواضع کے باب میں آپؐ کے واقعات ایسے عجیب وحیرت ناک ہیں کہ آج کے زمانے کی کوئی نمایاں دینی ودنیوی حیثیت کی شخصیت کے تعلق سے اس طرح کے واقعات کا پیش آنا مشکل ہے۔ آپؐ کا حال یہ تھا کہ چھوٹی بچیاں آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگتیں۔

(۱) مسلم: ۹۱ (۲) بخاری: ۴۹۱۸، مسلم: ۲۸۵۳

آپؐ ان سے اپنا ہاتھ چھڑائے بغیر ان کے ساتھ دوڑنے لگتے یہاں تک کہ وہ خود چھوڑ دیتیں۔آپؐ کی رفیقۂ حیات عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی خانگی مشغولیات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں: گھر کے لوگوں کا کام کر دیا کرتے تھے۔نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(۱)

اس بارے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ مزید بیان کرتی ہیں کہ جیسے آپ مرد اپنے گھر میں کام کرتے ہیں، ویسے ہی آپؐ گھریلو کام کر لیتے تھے، جوتے چپل درست کر لیتے تھے، کپڑے کی پیوندکاری وغیرہ فرما لیتے تھے۔آپؐ فرش زمین پر بیٹھ جاتے اور اسی پر کھا لیتے، غلاموں اور خادموں کے ساتھ کھاتے، گدھے کی سواری کرتے (عرب معاشرہ میں گدھے کی سواری کرنا ہمارے یہاں جیسا معیوب نہ تھا۔مترجم)۔آپؐ بچوں کو سلام کرتے اور بڑے بوڑھوں کی باتیں غور سے سنتے۔

---

(۱) بخاری، الادب المفرد:۴۱۸

رسول اور عورتیں

جس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اس دور میں عورتیں حد درجہ مظلوم تھیں اوران کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ان کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا تھا، ان کے ساتھ ناانصافی اور بڑا ظلم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہؐ کی بعثت سے پہلے عورتیں جن مظالم کا شکار تھیں ان کی چند صورتیں یہ تھیں:

(۱) مردوں کے نزدیک عورتیں ایک طرح کا سامان تھیں، وہ سامان اور مویشی کی طرح ان پر مالکانہ حق رکھتے اور جس طرح چاہتے ان میں تصرف کرتے۔

(۲) عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔

(۳) بیویوں کی تعداد یا طلاق کی تعداد میں عورتوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مرد جتنی شادیاں چاہتا کرتا اور اسی طرح بار بار طلاق دیتا۔

(۴) عربوں کے یہاں جب باپ مرجاتا تو بڑا بیٹا سوتیلی ماں کا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہوتا اور اسے مال اور دیگر معاملات کی طرح وراثت خیال کرتا۔

(۵) اس دور میں عورت ذات پر ظلم کی سب سے بدترین شکل بچوں کو زندہ کو دفن کرنا تھا، کیوں کہ وہ اپنے فرسودہ تصورات کے مطابق رشتۂ دامادی کو عار سمجھتے تھے۔

پانچویں وچھٹی صدی عیسوی میں یونان وروم اور ہندوچین کی تہذیبوں کا حال بھی جزیرۃ العرب سے بہتر نہ تھا، بلکہ اس سے بدتر تھا۔

ان حالات میں حضورؐ کی آمد ہوئی تاکہ عورتوں کے حقوق کی بازیابی کریں اور اس پر

ڈھائے جانے والے سماجی، گھریلو اور مالی مظالم کو دور کریں اور اس کی عظمت رفتہ واپس لائیں تاکہ وہ مردوں کے ساتھ تعمیر معاشرہ میں حصہ لے سکے۔

دور جدید کی مثال ہے کہ برطانیہ میں بیوی کو بیچ دینے کا رواج تھا اور یہ طریقہ درحقیقت طلاق کا متبادل تھا، کیوں کہ عام لوگوں کے تعلق سے طلاق ایک ایسی چیز ہے، جس کو عملاً نافذ کرنا ان کے لیے محال و ناممکن ہے۔ برطانیہ میں طلاق صرف مال دار گھرانوں میں ہی ممکن ہے۔

بیوی سے علیحدگی کی یہ رسم سترہویں صدی کے اواخر میں شروع ہوئی۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ شادی سے پریشان جوڑے مدت طے کرتے۔ شوہر ایک پٹہ بیوی کی گردن یا کلائی یا کمر میں باندھ کر سامان تجارت کی طرح پیش کرتا۔ لوگ بولی لگاتے جو زیادہ قیمت لگاتا اس کے حوالے کر دی جاتی۔(۱)

پانچویں صدی عیسوی میں ایک میٹنگ ہوئی جس کا موضوع تھا ''عورت صرف جسم ہے یا اس میں روح بھی ہے''؟ بحث ومباحثہ کے بعد طے پایا کہ ''عورت جہنم سے نجات پانے والی روح سے خالی ہے''۔ ۱۹۵۸ میں فرانس میں ایک کانفرنس بلائی گئی جس میں یہ تجویز پاس ہوئی کہ ''عورت انسان تو ہے لیکن صرف مردوں کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے''۔(۲)

قرآن میں عورت

قرآن کریم نے عورت کا خاص خیال رکھا اور اس کے نام سے ایک سورہ کو خاص کیا ہے ''سورۂ نساء''۔ اسی طرح دوسری سورہ ''مریم'' کے نام پر رکھی۔ قرآن نے عورت کے احوال ومسائل پر کئی سورتوں میں بحث کی ہے۔ جیسے سورۂ طلاق، سورۂ بقرہ، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ ممتحنہ اور سورۂ تحریم۔ اس کے علاوہ قرآن نے جاہلی دور میں عورت کو ذلیل و حقیر سمجھنے پر سخت نکیر کی ہے۔ جیسے ننھی بچی کو زندہ دفن کیا جانا اور اس کا قصور صرف نرینہ اولاد نہ

(۱) ar.wikipedia.org.wiki (wife sale)

(۲) Sabaee M. Women between lows and juris / prudence P.13-22

ہونا۔ قرآن نے کہا:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۞ (۱)

’’اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟‘‘

قرآن نے دورِ جہالت کے اس باپ کی سوچ پر بھی نکیر کی ہے، جو بچی کی پیدائش پر غم وعار سے زمین میں دھنسا جاتا ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۞
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ
اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ (۱)

’’جب اِن میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اِس بُری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلّت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو، کیسے بُرے حکم ہیں جو یہ خُدا کے بارے میں لگاتے ہیں۔‘‘

قرآن نے اولاد کو بچہ ہو یا بچی فقر وفاقہ کے اندیشہ سے قتل کرنے سے منع کیا ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ (۳)

---

(۱) التکویر: ۸، ۹ (۲) النحل: ۵۸، ۵۹ (۳) الانعام: ۱۵۱

''کہو کہ آؤ میں تم کو وہ بات پڑھ کر سناؤں جس کو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور یہ کہ اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور یہ کہ بری باتوں کے قریب مت جاؤ چھپی ہوئی ہو یا ظاہر۔ اور جس نفس کو اللہ نے محترم کردیا ہے، اسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ یہ ہے وہ وصیت جو اس نے تم کو کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

اسی طرح قرآن نے عمل اور جزا کے سلسلے میں مرد و عورت کو یکساں قرار دیا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (۱)

''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

قرآن نے مرد و عورت کے درمیان ایک دوسرے کے لیے تکمیل ہونے کا ذکر کیا ہے اور درحقیقت زندگی اس باہمی برتاؤ کے بغیر راہ مستقیم پر قائم نہیں رہتی۔ قرآن نے ہر میدان سے متعلق عورت کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا اور اسے مکمل حیثیت دی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ (۲)

(۱) الحجرات: ۱۳ (۲) النساء: ۱۲۴

”اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔“

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن بدلہ کے بارے میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز نہیں رکھا۔ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ (۱)

”ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انھیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“

اسی اصول کا تذکرہ سورۂ احزاب میں کیا۔ فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (۲)

”بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ

(۱) التوبہ: ۷۲ (۲) الاحزاب: ۳۵

دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔‘‘

قیامت کے دن اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے میں مرد و عورت دونوں شریک ہوں گے۔ فرمایا:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ (۱)

’’اُس دن جب کہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) آج بشارت ہے تمہارے لیے۔ جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔‘‘

احادیث میں عورتوں کا تذکرہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کے مسائل کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اُس وقت کے سماج میں عورت کی جو تصویر مسخ کر دی گئی تھی اسے درست کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ سماج تھا جو عورت کی اہانت و تحقیر کرنے کا عادی تھا، اور اس کے ساتھ انسانیت سے بعید و عاری رویہ اختیار کرتا تھا۔ اسی لیے آپؐ نے عورتوں کے مسائل کے حل کے لیے دو باتوں پر خاص توجہ دی۔ ایک، معاشرہ کی اس جانب رہ نمائی کرنا کہ وہ عورتوں کے ساتھ اپنے رویّے کو بدلے، دوسرے، خود عورتوں کو اپنی صلاحیتوں کے نکھارنے کی طرف متوجہ کرنا، اور اپنے حقوق

(۱) الحدید: ۱۲

وذمہ داریوں سے واقف ہونے پر متوجہ کرنا تاکہ عورت زندگی کے تقاضوں کی تکمیل میں مردوں کے ساتھ شریک ہو سکے۔

عورت کے متعلق تاکید

آپؐ نے عورتوں کے بارے میں معاشرہ کو سخت تاکید فرمائی ہے، کیوں کہ وہ ماں، بہن، بیوی، بیٹی، پھوپھی، خالہ، دادی، نانی ہوتی ہے۔آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِالنِّسَاءِ خَيْرًا ، إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِالنِّسَاءِ خَيْرًا ، فَإِنَّهُنَّ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ ، إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ وَمَا تُعَلِّقُ يَدَاهَا الْخَيْطَ ، فَمَا يَرْغَبُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ حَتَّى يَمُوتَا هَرَمًا (۱)

”اللہ تعالیٰ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہیں، کیوں کہ وہ مائیں، بیٹیاں، خالائیں ہیں۔ جو کوئی اہل کتاب کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور بندھن میں بندھ جاتے ہیں پھر دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے یہاں تک بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں۔“

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے منبر سے جو خطبہ دیا، اس میں یہ بھی تاکید شامل تھی:

استوصوا بالنِّساءِ خيرًا فإنَّهنَّ عندَكُم عوانٍ... (۲)

”عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، کیوں کہ وہ تمہاری دستِ نگر ہیں۔“

دنیا کی حسین ترین چیز

ایک روایت میں ہے کہ عورت دنیا کی حسین ترین چیز ہے۔آپؐ نے فرمایا:

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (۳)

(۱) طبرانی الکبیر، البانی نے صحیح کہا، الصحیحہ: ۲۸۷۱ (۲) ابن ماجہ: ۱۵۱۳ (۳) مسلم: ۱۴۶۷

”دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کی بہترین چیز اچھی نیک عورت ہے۔“

آپؐ نے عورت کو دنیا کی نمایاں ترین خوش نصیبی کی ایک قسم قرار دیا ہے:

أَرْبَعٌ مِنَ السَّعادةِ: المرأةُ الصالحةُ، والمسكنُ الواسعُ، والجارُ الصالحُ، والمركبُ الهنيءُ(۱)

”خوش نصیبی کی چار چیزیں ہیں: نیک عورت، کشادہ گھر، اچھا پڑوسی اور آرام دہ سواری۔“

شوہر پر بیوی کا حق

آپؐ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ شوہر پر بیوی کے کیا حقوق ہیں۔ جب اس بارے میں آپؐ سے پوچھا گیا، تو آپؐ نے فرمایا:

أن تُطعِمَها إذا طَعِمتَ، وتَكْسوها إذا اكتسَيتَ، ولا تُقَبِّح، ولا تَهْجُرْ إلّا في البَيتِ (۲)

”جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو تو اسے بھی پہناؤ، برا بھلا نہ کہو، گھر کے علاوہ کہیں اسے نہ چھوڑو۔“

عورت پر ظلم نہ کرو

آپؐ نے مردوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنائیں۔ اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ اختلاف کے موقع پر عورت کی اچھی باتیں اور خوبیاں یاد کی جائیں۔

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (۳)

”کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے متنفر نہ ہو۔ اگر اس کی کوئی

(۱) ابن حبان، البانی نے صحیح کہا، صحیح الترغیب: ۲۵۷۶

(۲) ابوداؤد، البانی نے صحیح کہا: ۲۱۴۲ (۳) مسلم: ۱۴۶۹

خصلت بری لگتی ہے تو اس کی کوئی عادت اس کو پسند بھی ہوگی۔"

جو بیوی کے ساتھ بہتر ہو

آپؐ نے مردوں کے سامنے یہ بات واضح فرمائی کہ جو بیویوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرے اور اچھے اخلاق سے پیش آئے وہ بہترین مرد ہے۔

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحسَنُهُم خُلُقًا،وخيارُكُم خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (۱)

"ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔"

عورتوں پر شک نہ کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہروں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ عورتوں (بیبیوں) کو شک کی نگاہ سے دیکھیں۔ آپؐ نے بدگمانی سے بھی روکا ہے۔ ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے معاملات مثلاً ٹوہ میں رہنے اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی تلاش میں رہنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

نَهَى رَسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ أَنْ يَطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ لَيْلًا يَتَخَوَّنُهُمْ، أَوْ يَلْتَمِسُ عَثَرَاتِهِمْ. (۲)

"حضورؐ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کو اس نیت سے اپنے گھر آئے کہ کسی طرح کا الزام لگائے یا اس کی غلطیوں کو پکڑے۔"

حضورؐ کی زندگی میں عورت

حضورؐ اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی، محبت اور عدل وانصاف کے ساتھ رہتے اور زندگی کے ہر موڑ پر ان کے مددگار ثابت ہوئے۔

---

(۱) ترمذی - البانی نے صحیح کہا: ۱۱۶۲ (۲) بخاری: ۱۸۰۱، مسلم: ۷۱۵

پہلی زوجہ مطہرہ کے ساتھ آپؐ کی سرگزشت

آپؐ پر سب سے پہلا ایمان لانے والا انسان ایک معزز خاتون ہیں۔ وہ آپؐ کی پہلی اہلیہ سیدہ خدیجہؓ ہیں، جن کو آپؐ کے اعلیٰ اخلاق بھا گئے اور انھوں نے آپؐ سے اپنی دولت کو تجارت میں لگانے کی درخواست کی اور تجارتی سفر میں میسرہ کو رفیق سفر بنایا کہ وہ آپؐ کے اخلاق و کردار اور امانت داری کا جائزہ لیتے رہیں۔ سفر سے واپسی پر جب میسرہ نے آنکھوں دیکھا حال بتایا تو وہ آپؐ کو اپنا شوہر بنانے کی خواہش مند ہوئیں اور اپنی سہیلی نفیسہ کو پیغام لے کر حضورؐ کے پاس بھیجا۔ آپؐ تیار ہو گئے اور دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

آپؐ غارِ حرا میں فکرِ خدا میں مشغول تھے کہ وحی اترتی ہے۔ آپؐ پہاڑ کی چوٹی پر یکا و تنہا تھے۔ پہاڑ سے اترتے ہوئے آپؐ پر رعب طاری تھا، خاص طور سے اس لیے کہ جبریل کو اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ آپؐ تیز قدموں سے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اوڑھاؤ اوڑھاؤ۔ اس تعلق سے دو سورتیں اتریں، مزمل و مدثر، جو نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماجرا کو بیان کرتی ہیں۔

اس نازک گھڑی میں سیدہ خدیجہؓ نے کیا خوب طریقہ اپنایا۔ آپؐ کی مدد اور دل جوئی کے لیے آپؐ کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ اس منظر کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے: ''اس حال میں غارِ حرا سے واپس ہوئے کہ آپؐ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔ آپؐ خدیجہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا مجھے کمبل اوڑھا دو۔ انھوں نے کمبل اوڑھا دیا۔ جب ڈر جاتا رہا تو آپؐ نے خدیجہ کو واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے ڈھارس بندھائی اور کہا کہ ایسا ہرگز نہیں، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ کنبہ پرور ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مشکل وقت میں آپ امرِ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ پھر وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس

لے گئیں جو جاہلی دور میں عیسائی ہو گئے تھے۔‘‘(۱)

حضرت حدیجہؓ کو آپؐ سے محبت تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنے مال، اپنی محبت اور آپؐ کی دلچسپیوں میں خود کو شریک کر کے آپؐ کو تعاون فراہم کیا۔ آپ کے اوصاف جمیلہ کو بیان کر کے آپؐ کے اخلاقی مرتبے کو بلند کیا۔ آپؐ کو اپنے جذبات سے آگاہ کیا کہ جس ہستی کے اندر یہ صفات ہوں، اس ہستی کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی کیا کہ عالم شخص کے پاس لے کر گئیں، تاکہ آپؐ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس کے اسرار و حقیقت کو جان سکیں۔ پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ آپؐ تو نبی ہیں تو وہ آپؐ پر ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد تاحیات آپؐ ان کی محبت میں گرفتار رہے۔ اسی لیے آپؐ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ کوئی ان کی برائی کرے۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں کے پاس کھانے پینے کی چیز بھیجا کرتے تھے، تاکہ ان سے محبت کا حق ادا ہوتا رہے۔

حضرت عائشہؓ سے تعلق خاطر

عائشہ صدیقہؓ وہ ہیں جن کے بارے میں متعدد احادیث میں آپؐ نے واضح فرمایا کہ وہ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ رسول ہونے کی حیثیت سے بے پناہ مصروفیت کے باوجود آپؐ کچھ وقت نکال کر حضرت عائشہؓ کی دل داری فرماتے۔ آپؐ اس محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے تاکہ یہ محبت ان پر بھی آشکار ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ’’میں ہڈی چوستی تھی اور باوجودے کہ میں حالت حیض میں ہوتی تھی، میں وہ ہڈی آپؐ کو پیش کرتی تو آپؐ اس کو اسی جگہ سے چوستے جہاں میں نے اس پر اپنا منہ لگایا تھا۔ میں پینے کی کوئی چیز پیتی، پھر وہ آپؐ کو پیش کرتی تو آپؐ اسی جگہ منہ لگا کر نوش فرماتے جہاں سے میں نے پیا تھا۔‘‘(۲)

وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ آپؐ مجھے یا عائش کہہ کر پکارتے۔ ایک بار فرمایا: اے عائشہ! جبرئیل تشریف لائے ہیں اور سلام پیش فرما رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے ’’وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ‘‘ سے جواب دیا۔(۳) عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپؐ کی دل لگی غسل

(۱) فتح الباری: ۶۵۸۱ (۲) ابوداؤد: ۲۵۹ (۳) بخاری: ۶۲۰۱

خانے تک لطف دیتی۔ دونوں ایک ساتھ نہاتے۔ آپؐ پانی پہلے لے لیتے، میں کہتی میرے لیے بھی بچا دیجیے، میرے لیے بھی بچا دیجیے۔(۱) آپؐ سفر میں ہوتے عائشہ کے ساتھ دوڑ لگاتے، جب وہ کم عمر اور دبلی پتلی تھیں تو ایک بار دوڑ کے مقابلے میں وہ آگے بڑھ گئیں۔

ایک سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، آپؐ نے صحابہ سے آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ وہ آگے بڑھ گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: آؤ، دوڑ کا مقابلہ کریں۔ میں آگے بڑھ گئی۔ ایک زمانے کے بعد دوبارہ سفر میں آپؐ کے ساتھ تھی۔ آپؐ نے صحابہ سے آگے بڑھنے کو کہا، وہ بڑھ گئے۔ پھر آپؐ نے کہا آؤ، دوڑ کا مقابلہ کریں۔ میں پچھلا واقعہ بھول چکی تھی اور اب میرا جسم بھر گیا تھا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول اس حالت میں کیسے مقابلے میں حصہ لوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم ضرور دوڑو گی۔ ہم دوڑے۔ اس مرتبہ آپؐ جیت گئے تو فرمایا: میرا اس بار جیتنا تمہارے اس بار جیتنے کا بدلہ ہے۔(۲)

حضرت عائشہؓ اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ ان کے گھر میں آپؐ نے آخری سانس لی۔ وہ کہتی ہیں: ''مجھ پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ رسول اللہؐ نے میرے گھر میں میری باری کے دن اور میری گردن اور سینے کے درمیان سر رکھ کر وفات پائی۔ اور وفات کے وقت آپؐ کے لعاب دہن سے میرا لعاب دوآتشہ ہوا، کیوں کہ اسی وقت عبدالرحمٰن آگئے تھے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں حضورؐ کو سہارا دیے ہوئے تھی، میں نے دیکھا کہ آپؐ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں، آپؐ کو مسواک پسند تھی، میں نے محسوس کرلیا اور پوچھنے لگی پیش کروں، آپؐ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا۔ میں نے بڑھا دیا۔ آپؐ کے لیے مسواک کرنا مشکل تھا۔ میں نے عرض کیا نرم کردوں؟ آپؐ نے اشارہ کیا ضرور! میں نے زیرِ لب نرم کیا اور پھر آپ نے یہ مسواک کی۔(۳)

رسول اللہؐ کی زندگی میں عورتوں کے ساتھ بیوی، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے بڑے دلچسپ وخوبصورت اور سبق آموز واقعات ومناظر کا مرقع موجود ہے۔

---

(۱) مسلم: ۳۲۱ (۲) ابوداؤد: ۲۵۷۸ (۳) بخاری: ۴۴۴۹

رسول اور والدین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ آپؐ کے والد ماجد عبداللہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپؐ کی والدہ آمنہ دختر وہب حاملہ تھیں۔ اور آپؐ کی والدہ ماجدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپؐ چھ سال کے تھے۔ آپؐ نے اپنے والدین کو نہیں پایا کہ ہم یہ دیکھ سکتے کہ آپؐ کا حسن سلوک والدین کے ساتھ کس طرح کا تھا۔ البتہ آپؐ والدہ کی قبر پر حاضری دیتے، اور آپؐ کی آنکھیں اشک بار رہتیں۔ آپؐ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید و تلقین کی ہے۔

والدین کے سلسلے میں قرآن کا حکم

قرآن کریم کی ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رب کائنات نے اولاد کو والدین کی فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کی تربیت ایسے اصولوں پر کی جن کا شمار پائیدار، کامیاب اور نتیجہ خیز گھرانے کی تعمیر سازی میں ہوتا ہے۔ جب گھر گھرانے کے لوگوں میں شفقت واحترام کی فضا قائم رہتی ہے، تو بچوں کا فطری ارتقا ہوتا ہے اور بے چینی کی مختلف شکلوں اور الجھنوں کا دور دور تک گزر نہیں ہوتا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اخلاق کی باریکیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن کا بچوں کے لیے ماں باپ کے تئیں برتنا ضروری ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا

يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَآ اُفٍّ
وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾ (۱)

’’تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بُوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ اور نرمی و رحم دلی کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح اِنھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔‘‘

قرآن نے اللہ کی عبادت کے ساتھ والدین کی فرماں برداری کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى
الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ‌ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾ (۲)

’’اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ

(۱) بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴ (۲) النساء: ۳۶

کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی
بڑائی پر فخر کرے۔''

قرآن نے ان آزمائشوں کا تذکرہ کیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے پیش آئیں۔ اسی ضمن میں عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور فرماں برداری کا تذکرہ بھی کیا۔ فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ (۱)

''وہ بول اٹھا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا۔ اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبّار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں۔''

والدین کے بارے میں احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ اور تمام مسلمانوں کو اپنے مختلف ارشادات میں والدین کی فرماں برداری کی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے آکر آپؐ سے پوچھا: میں سب سے زیادہ اچھے برتاؤ، نرمی، بھلائی اور فرماں برداری کا مستحق کسے سمجھوں؟ یا میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اس نے پوچھا:

(۱) مریم: ۳۰-۳۳

اس کے بعد کون؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ تو آپؐ نے جواب دیا: تمہارے والد۔ (۱)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی تابع داری جنت کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے نمایاں ترین اسباب میں سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوْ اِحْفَظْهُ (۲)

''باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے چاہے اسے کھودو، چاہے محفوظ رکھو۔''

آپؐ نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ تم والدین کے ساتھ جس قدر چاہو حسن سلوک کرلو، لیکن ان کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ اولاد ماں باپ کو کسی کے ہاتھ میں غلامی کی شکل میں پائے بس خرید کر ان کو آزاد کر دے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

لن یجزی ولدٌ والدًا إلّا أنْ یجدہُ مملوکًا فیشتریَہُ فیُعتقَہٗ (۳)

''کوئی اولاد والد کا بدلہ نہیں چکا سکتی بس ایک صورت ہے کہ باپ کو غلام پائے تو خرید کر آزاد کر دے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سارے گناہوں کی سزا اللہ ٹال دیتے ہیں کہ آخرت میں حساب ہوگا لیکن تین گناہوں کی سزا اللہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں، ان میں سے ایک والدین کی نافرمانی ہے۔ فرمایا:

كلُّ ذنوبٍ یؤخِرُ اللهُ منها ما شاءَ إلی یومِ القیامةِ إلّا البَغيَ وعقوقَ الوالدَینِ، أو قطیعةَ الرَّحِمِ ، یُعجِلُ لصاحبِها فی الدُّنیا قبلَ المَوتِ۔ (۴)

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة: ۵۹۷۱، مسلم، کتاب البر والصلة، باب برالوالدین: ۲۵۴۸

(۲) ترمذی: ۱۹۰۰ (۳) البانی نے صحیح کہا۔ ابوداؤد: ۵۱۳۷

(۴) البانی نے صحیح کہا۔ الادب المفرد: ۴۵۹

”تمام گناہوں میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے قیامت تک کے لیے (اس کے حساب کتاب کو) موخر کر دیتا ہے، البتہ بغاوت، والدین کی نافرمانی یا قطع رحمی کرنے والے کا محاسبہ اس کی موت سے پہلے دنیا میں ہی کر دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے بندوں سے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے باوجود کچھ دعائیں ایسی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت جلد قبول کرنے کی ضمانت دی ہے۔ ان میں سے ایک والدین کی بددعا اولاد کے حق میں ہے جب وہ ان کے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں:

ثلاثُ دعواتٍ مستجاباتٌ لا شَكَّ فيهِنَّ دَعوةُ المظلومِ، ودعوةُ المسافرِ، ودعوةُ الوالِدِ على ولدِهِ(۱)

”تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ مظلوم کی بددعا، مسافر کی دعا اور اولاد کے لیے والد کی بددعا۔“

ایسی روایات بہت زیادہ ہیں جن میں حضورؐ نے اولاد کو والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت دی ہے۔

---

(۱) البانی نے صحیح کہا۔ الادب المفرد: ۳۷۲

رسول اور بچّے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے خاص تعلق خاطر رکھتے تھے۔ آپؐ بچوں کے ساتھ نرمی، ہمدردی اور لطف وکرم کے ساتھ پیش آتے۔ آپؐ بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ آپؐ بچوں کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھتے۔ آپؐ نے امت کو بچوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان میں یہ تمام پہلو نمایاں ہیں۔ آپؐ بچوں کے ساتھ ان ہدایات پر خود بھی عمل پیرا ہوتے، وہ بچے اپنے ہوں جیسے نواسے یا دوستوں کے یا عام بچے ہوں، سب کے ساتھ پیار کرتے۔

جس نظریہ کو ڈاکٹر ولیم گلاسر وغیرہ نے بچوں کے بارے میں پیش کیا ہے۔ اس کا ادراک آپؐ نے چودہ سو سال پہلے کر لیا تھا۔ وہ بچوں کی بنیادی ضرورت کا نظریہ ہے جس کا تذکرہ آپؐ کی تعلیمات میں ملتا ہے اور آپؐ بچوں کے ساتھ جس طرح پیش آتے وہ عملی برتاؤ ان نظریات کے ادراک کی تائید کرتا ہے۔ وہ بنیادی ضروریات چند امور سے مرکب ہیں۔ محبت کی ضرورت، طاقت کی ضرورت، کھیل کود کی ضرورت اور پرورش و پرداخت کی ضرورت اور ان جیسی بنیادی ضروریات۔ اس بارے میں آپؐ کی زندگی کے چند روشن پہلو یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۱) بچوں سے دل لگی اور ہنسی مذاق

مدینہ منورہ میں ایک بچہ تھا، جس کا نام زید بن سہل تھا۔ اس بچے کی عمر تین سال سے

زیادہ نہ تھی۔ اس کے پاس ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتا تھا۔ رسول اللہؐ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اسے اس طرح مخاطب کیا جیسے کسی بڑے شخص کو مخاطب کر رہے ہوں، تاکہ اسے اپنی قدر و منزلت کا اندازہ ہو اور اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ آپؐ نے آواز دی، ابوعمیر! عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ کنیت رکھتے اور کسی شخص کو اس کے بڑے بیٹے کے نام سے پکارتے اور ابوفلاں کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اگر کسی کے اولاد نہ ہوتی یا وہ غیر شادی شدہ ہوتا تو بھی کنیت رکھ لیتے۔ اسی رواج کے مطابق آپؐ نے ابوعمیر کہا اور جس طرح بڑوں کو آواز دیتے ہیں اس طرح اس بچے کو مخاطب کیا۔ پھر آپؐ نے اس کی مصروفیات کے بارے میں پوچھا، اور وہ کیا پسند کرتا ہے معلوم کیا، پھر چڑیا کے متعلق سوال فرمایا: مَاذَا فَعَلَ النُّغَيْرُ ؟ ''چڑیے کے بچے کے ساتھ کیا ہوا؟''

یہ کہانی ان کے بھائی انس بن مالک کی زبانی سنیے:

رسول اللہؐ کا اخلاق سب سے اچھا تھا۔ میرا ایک بھائی تھا اسے ابوعمیر کہتے تھے۔ شاید ابھی اس نے ماں کا دودھ چھوڑا تھا۔ جب حضورؐ تشریف لاتے اور اس پر نظر پڑتی تو پوچھتے: ابو عمیر ماذا فعل النغیر (پرندے کے بچہ) کا کیا ہوا؟ وہ اس بچے سے کھیلا کرتا تھا۔(۱)

اس کہانی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ رسول اللہؐ بچوں سے دل لگی فرماتے، ان کا دل خوش کرتے اور جس چیز کو بچے پسند کرتے اس کا خیال رکھتے۔

(۲) عزت افزائی واحترام

ہر انسان اچھی اور عمدہ زندگی بسر کرنے کے لیے جن بنیادی ضرورتوں کا محتاج ہوتا ہے وہ ہے احترام اور عزت افزائی۔ اس حقیقت کا ادراک رسول اکرمؐ کو بخوبی تھا۔ اس لیے آپؐ بچوں کے ساتھ اسی جذبہ سے پیش آتے۔ بچوں کو ان کا مکمل حق سمجھتے ہوئے اور اس میں کسی کمی کے بغیر عزت واحترام سے نوازتے تھے۔ نہ ان سے اعراض

(۱) بخاری: ۶۲۰۳، مسلم: ۲۱۵۰

برتتے تھے، نہ انھیں چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کرتے تھے اور نہ ان کی عمر اور بچپن کے پیش نظر انھیں حقیر سمجھتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کہتے ہیں: رسول اکرمؐ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے نوش فرمایا۔ آپؐ کے دائیں حاضرین میں سب سے کمسن لڑکا بیٹھا تھا اور بڑے بوڑھے آپؐ کے بائیں طرف تھے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: میاں، کیا تم اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پیالہ بڑوں کی طرف بڑھا دوں؟ اس نے برجستہ کہا: حضور! آپؐ کے پس خوردہ کے بارے میں اپنے سوا میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضورؐ نے وہ پیالہ اسے دے دیا۔(۱)

رسولؐ نے اپنے ساتھیوں کو جو آداب سکھایا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہر کام دائیں سے شروع کیا جائے۔ مسجد یا گھر کے اندر داخل ہونے، کعبہ کے طواف میں، کھانے پینے میں دائیں کو ملحوظ رکھا جائے۔ اب یہ بچہ رسول اکرمؐ کے دائیں بیٹھا تھا اور بڑے صحابہ، بڑے بوڑھے بائیں جانب تھے، جب پیالہ میں دودھ بچ گیا تو آپؐ نے رفقاء مجلس کو دینا چاہا اور آپؐ کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ جو دائیں طرف ہے وہ پہلے اس کا حق دار ہے۔ لیکن وہ بہت کمسن ہے اس لیے آپؐ نے اس سے اجازت چاہی کہ اپنے حق سے دست بردار ہوجائے تاکہ آپؐ بچا ہوا دودھ بڑوں کو دے دیں، لیکن اس کمسن بچے نے دست برداری قبول نہیں کی تو رسول اللہؐ نے اس کی خواہش کی تکمیل کی اور اس کی رائے کا احترام کیا۔ اس کی عزت افزائی فرمائی اور بچے ہوئے دودھ میں اس کے حق کو تسلیم کیا تاکہ امت مسلمہ اور سارا عالم جان لے کہ بچے کی قدر کس طرح کی جاتی ہے اور انھیں ان کا پورا حق کیسے دیا جاتا ہے۔ ان کی رائے اور پسند کا خیال کیسے رکھا جاتا ہے، خاص طور سے اس وقت جب وہ حق اخلاق اور اقدار کی روح سے متصادم نہ ہو۔

---

(۱) بخاری: ۲۳۵۱

(۳) زندگی میں سچائی سمونا

بچہ جب چھوٹا ہوتو ضروری ہے کہ اسی عمر میں اس کے اندر اخلاقی قدروں کو سمو دیا جائے تاکہ وہ ان اخلاقی قدروں کا عادی ہوجائے اور ان کو اپنانا اس کے لیے آسان ہو۔ یہ دلیل دے کر کہ ابھی بچہ ہے، اس کے اندر اخلاقیات کے بیج بونے میں تاخیر کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ کیوں کہ بچہ کی شخصیت بڑی تیزی سے بنتی ہے اور عمر کے ابتدائی سالوں میں بچے زیادہ اثر قبول کرتے ہیں۔ ان اخلاقی قدروں میں سے ایک سچ بولنے کی تعلیم ہے، جھوٹ بولنے سے روکنا ہے، وعدہ خلافی سے گریز اور وعدہ پورا کرنے کی تاکید لازمی ہے، چاہے وعدہ بڑے کی نگاہ میں معمولی کیوں نہ ہو، جیسے کسی نے وعدہ کیا کہ چاکلیٹ خرید دیں گے یا جوس دیں گے، یا تحفہ دیں گے یا سیر وتفریح یا کھیلنے کے لیے نکلیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ذہن میں سچ بولنے کی اہمیت کو بٹھانے کی کوشش فرماتے:

> عبداللہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ میرے غریب خانے میں تشریف فرما تھے کہ میری امی نے مجھے بلایا کہ آؤ، تمہیں کچھ دوں گی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کیا دوگی؟ انھوں نے جواب دیا: کھجور دوں گی۔ اس وقت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اگر تم نے اسے کچھ نہ دیا تو تمھارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جائے گا۔ (۱)

اس حدیث میں قابل توجہ یہ بات ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن عامرؓ اپنے بچپن کا واقعہ سنا رہے ہیں جسے وہ بھلا نہ سکے۔ امت کے لیے نبی برحقؐ کی اس نصیحت میں کس قدر گہرائی ہے اور کس قدر خوش نما اور شان دار ہے یہ نصیحت جس کی وجہ سے راوی نے بچپن کی اس بات کو بڑے ہونے کے بعد بھی یاد رکھا۔ اس دل نشینی واثر انگیزی کا کیا پوچھنا۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اکرمؐ بچوں کی تربیت کے بارے میں صرف ہدایات

(۱) ابوداؤد: ۴۹۹۱

ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ معاشرے کے افراد پر نگاہ بھی رکھتے تھے کہ وہ بچوں کے ساتھ کس طرح پیش آرہے ہیں اوران کو براہ راست توجہ دلاتے، تاکہ بچوں کو جس راہ پر گامزن کرنا ہے اس راہِ عمل کو نمایاں فرمادیں اوراس کے لیے عملی نمونہ فراہم کردیں۔

(۴) بچوں کو انصاف کی تاکید

رسول اللہؐ معاشرے کے تمام افراد میں انصاف کی روح پھونکنے کے لیے فکر مند اور کوشاں تھے، جب کہ بہت سے والدین بچوں کو انصاف کی اہمیت جتانے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب اس بارے میں اصولی تعلیمات کی تنفیذ میں کہیں انحراف پاتے ہیں تو گرفت فرماتے ہیں، تاکہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مطابق نسلوں کی نشو ونما ہوسکے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ'' کی پیروی ہوسکے۔

آپؐ عدل وانصاف کی حقیقت اور قدر و قیمت سے آشنا کرانے کے لیے کس حد تک فکر مند تھے، اس کا اندازہ آپؐ کی اس بارے میں تعلیمات وہدایات اور پیش آنے والے واقعات میں سے ایک انتہائی مؤثر اور حیرت انگیز واقعہ سے ہوسکتا ہے جسے حضرت نعمان بن بشیرؓ سناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے مال میں سے کچھ مجھے بخش دیا۔ تو میری امی عمرہ بنت رواحہ نے کہا: میں اسے ہرگز نہ مانوں گی جب تک آپ رسول اللہؐ کو اس کا گواہ نہ بنائیں۔ میرے ابا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ گواہ بنائیں۔ اس مقدمہ کی سماعت کے بعد حضورؐ نے ابا سے پوچھ لیا: کیا آپ نے جتنا مال اس کو دیا ہے اتنا ہی مال اپنی ساری اولاد کو بھی دیا ہے؟ ابا نے جواب دیا: نہیں۔

حضورؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اپنے بچوں میں انصاف کرو۔ ابا جان لوٹ آئے اور بخشا ہوا مال واپس لے لیا۔(۱)

(۱) مسلم: ۱۶۲۳

(۵) بچوں سے پیار

انسان فطری ارتقا سے ہم کنار ہونے میں جن بنیادی عناصر کی احتیاج رکھتا ہے ان میں ایک اہم عنصر محبت، پیار اور شفقت ہے۔ رسول اللہؐ محبت والفت سے خاندان کے سارے افراد کو نوازتے اور بچوں پر خاص توجہ دیتے۔آپؐ کی اولاد ہو یا نواسے یا صحابہ کے بچے سب سے پیار کرتے۔ بچوں سے محبت وشفقت کے اظہار کی نشانیاں بھی ہیں۔ مثلاً بوسہ دینا، چمٹانا، گود لینا، دل لگی کرنا، عزت افزائی کرنا، ستائش، مسکراہٹ، اور بچے سے کہنا کہ مجھے تم سے پیار ہے۔ بچے کی توہین سے بچنا، اس کا دل نہ دکھانا، چاہے آپ بہت اہم کام کی انجام دہی میں کیوں نہ مشغول ہوں اور نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہے ہوں۔ ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے ایک دل فریب تربیتی واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک نواسے کو کھیلنے کودنے کا جی بھر موقع فراہم کیا جب کہ آپ نماز جیسی بڑی عبادت کی امامت فرمارہے تھے، اس میں یہ نماز بھی رکاوٹ نہ بن سکی۔

حضرت شداد بن ہاد لیثیؓ کہتے ہیں: ظہر یا عصر کی نماز کے لیے حضورؐ تشریف لائے، آپؐ حسن یا حسین کو گود لیے ہوئے تھے۔آپؐ آگے بڑھے، نواسہ کو دائیں پیر کے پاس بٹھا دیا اور نماز شروع کی۔ نماز کے دوران آپؐ نے ایک سجدہ بہت لمبا کیا۔ لیثی کہتے ہیں: میں نے سجدے سے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ رسول اکرمؐ کی پیٹھ پر ہے اور حضورؐ سجدے میں ہیں۔ میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب حضورؐ نے نماز پڑھا لی تو لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے ایک سجدہ بہت لمبا کیا۔ ہمیں خیال آنے لگا کہ کوئی حادثہ تو نہیں رونما ہو گیا یا آپ پر وحی تو نہیں اترنے لگی۔ حضورؐ نے جواب دیا: ایسا کچھ نہیں ہوا، لیکن میرا بیٹا (نواسہ) میری پیٹھ پر سوار ہو گیا، تو مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ اس کا جی بھرنے سے پہلے میں سجدے سے اٹھنے میں جلدی کروں۔ (۱)

---

(۱) نسائی: ۱۱۴۱

آپؐ کے اس زرّیں قول پر غور کریں: ''اس کا جی بھرنے سے پہلے میں سجدے سے اٹھنے میں جلدی کروں''۔ آپؐ نماز میں ہیں، سیکڑوں یا ہزاروں نمازی آپؐ کے پیچھے ہیں۔ آپؐ سجدے میں ہیں، پوری جماعت آپؐ کے ساتھ سجدے میں ہے، اتنے میں آپؐ کا نواسہ نانا کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا ہے، آپؐ اسے جھڑکتے نہیں، نہ ہٹاتے ہیں، اسی حالت میں کچھ دیر رہتے ہیں۔ (حتّٰی کہ بعض نمازی کو روح پرواز ہونے کا خیال آیا یا اسی حال میں وحی اترنے کا گمان ہوا) جب بچہ از خود پیٹھ سے اتر گیا تو آپؐ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ واہ! بچوں کے ساتھ کتنا خوب صورت برتاؤ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نواسوں سے کس قدر محبت کرتے تھے، انھیں پیار کرتے تھے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ دن کے کسی وقت آپؐ نکلے، نہ آپؐ نے بات کی نہ میں نے گفتگو کی۔ آپؐ بنی قینقاع کے بازار آئے۔ منزل فاطمہ کے صحن میں بیٹھ گئے۔ اور آواز دینے لگے: کیا یہاں کوئی بچہ ہے؟ کیا یہاں کوئی بچہ ہے؟ لیکن حضرت فاطمہؓ نے بچے کو تھوڑی دیر روکے رکھا تو مجھے خیال ہوا کہ کپڑے بدلے جارہے ہیں یا ہاتھ منہ دھویا جارہا ہے۔ اتنے میں آپؐ کے نواسے دوڑتے آئے اور آپؐ نے انھیں چمٹا لیا اور پیار کیا۔ فرمایا: ''اے اللہ ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے اسے محبوب بنالے''۔ (۱)

یہ پیارا بچہ علی و فاطمہ کا لخت جگر حسن تھا۔ دیکھیے، آپؐ کے اندر کس قدر ان کی چاہت ہے اور بچہ بھی نانا کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ آپ کیسے انھیں چمٹا لیتے ہیں اور پیار کرتے ہیں اور دعا فرماتے ہیں کہ اللہ انھیں عزیز رکھے اور لوگ بھی انھیں پسند کریں۔

(۶) صاحبزادے کے انتقال پر غمگین ہونا

آپؐ کے صاحبزادہ ابراہیم کا جب انتقال ہوا آپؐ کی آنکھیں نم ناک ہوگئیں۔

(۱) بخاری: ۲۱۲۲، مسلم: ۲۴۲۱

حضرت ابراہیمؓ سیدہ ماریہ کے بطن سے تھے۔ سیدہ ماریہ کومقوقس بادشاہ نے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔آپؐ کےنم ناک ہوجانے پر صحابہ کوتعجب ہوا۔اس سے پہلے انھوں نے آپؐ کوکبھی اشک بارنہیں دیکھا۔لیکن اللہ کے رسولؐ کسی تصنع کا سہارا لیے بغیرلوگوں کو اپنا انسانی مزاج دکھانا چاہتے تھے کہ آپؐ بحیثیت انسان ہنستے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں، غمگین بھی ہوتے ہیں اورخوش بھی۔اسی چیز کوحضرت اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں: جب صاحبزادہ رسول ابراہیم کا انتقال ہواتو حضورؐرو پڑے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! اللہ نے جو باتیں آپ کوسکھائیں ہیں آپ ان کے زیادہ حق دار ہیں۔اس پر آپؐ گویا ہوئے:''آنکھیں اشک بار ہیں، دل غم گسار ہے، اللہ کی ناراضگی کا کوئی کام ہم نہیں کرتے ،اے ابراہیم ہم بے شک غم زدہ ہیں۔''(۱)

———————

(۱) طبرانی فی اوسط: ۸/۳۴۶

رسول اور حیوانات

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی جو بنیادیں فراہم کی ہیں، ان میں نمایاں ترین بنیاد عدل وانصاف کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ انصاف یا ظلم کا خاتمہ صرف انسانوں کا حق نہیں ہے بلکہ ہر جان دار کا حق ہے۔ حیوانات ہوں، پرندے ہوں یا حشرات الارض ہوں سب عدل کے حق دار ہیں۔ حضورؐ نے رحمت کے معنی ومفہوم کی وسعت کو صرف انسانوں کے لیے مخصوص نہیں کیا جو صرف انسانوں پر صادق آئے اور حیوانات پر نہ آئے یا اس کے برعکس ہو، بلکہ رحمت سب کے لیے عام ہے۔ آپؐ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ عدل کا تقاضا ہے کہ سب کے حقوق ادا کیے جائیں، تو جس طرح انسانوں کے حقوق ہیں اسی طرح حیوانات کے بھی حقوق ہیں۔ آپؐ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دنیا میں حیوانات کو حقوق دیے۔ اگر حیوانات کے حقوق کے بارے میں گفتگو کی جائے تو صفحات کم پڑ جائیں، اس لیے اختصار کے ساتھ اس بارے میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حیوانات کے نام پر قرآنی سورتیں

حیوانات کے لیے پہلا شرف واعزاز تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر چند سورتیں ایسی نازل کیں جن کے نام حیوانات کے نام پر رکھے گئے۔ یہ حیوانات کے لیے بڑا اعزاز ہے اور یہ اعزاز ان حیوانات کی بڑی کارکردگی کے باعث ملا ہے۔

(الف) سورۃ الفیل (ہاتھی کے نام پر)

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کی کعبہ ڈھانے کی کوشش کا قصہ

بیان کیا ہے جو بڑے بڑے ہاتھی لے کر آیا تھا تا کہ کعبہ کو منہدم کر دے۔

(ب) سورۃ النمل (چیونٹی)

اللہ تعالیٰ نے اس میں اس چیونٹی کی بات نقل کی ہے جس نے اپنے جھنڈ سے کہا تھا کہ ''اے چیونٹیو، اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انھیں ں خبر بھی نہ ہو۔'' (۱)

(ج) سورۃ النحل (شہد کی مکھی)

اس سورہ میں شہد کی مکھی کا جو تذکرہ آیا ہے وہ باہمی تعاون کی ایک مثال اور حسن انتظام کا شاہکار ہے۔ اس کا تذکرہ اس طرح آیا ہے کہ شہد کی مکھی بلند ہمتی میں طاق ہے، فن تعمیر کی معمار ہے، شہد اس کی پیداوار ہے جو انسان کے لیے نفع بخش ہے۔

(۲) حیوانات کو کھلانے پلانے کا حکم

رسول اللہؐ نے حیوانات کے لیے جن بنیادی حقوق کا اعلان کیا وہ ان کی خوراک کا انتظام کھانے اور پینے کا حق ہے۔ یہ حق اس وقت خاص طور سے اہم ہو جاتا ہے جب وہ حیوان کسی انسان کی ملکیت و ذمے داری میں ہو۔ اس بارے میں صحابہ سے مختلف احادیث مروی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ایک شخص راستے میں جا رہا تھا۔ اسے شدید پیاس لگی، اسے ایک کنواں نظر آیا وہ اس میں اترا اور پانی پی کر سیراب ہو گیا۔ پھر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا زبان ہلا رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے نم مٹی کو چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے سوچا پیاس کی وجہ سے جو حال میرا تھا وہی اس کا ہو رہا ہے۔ بس وہ کنویں میں دوبارہ اتر پڑا اور اپنے موزے میں پانی بھر لیا، اور اسے منہ سے پکڑا اور کنویں سے باہر آ گیا اور کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔

(۱) النمل: ۱۸

صحابہ نے پوچھا: کیا حیوانات کا خیال رکھنے سے ہم کو ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر زندہ جگر رکھنے والے کی خدمت میں اجر ہے''۔(۱)

رسول اللہؐ نے اس شخص کی سزا کا بھی تذکرہ فرمایا جس نے ایک جانور کو کھانے پینے سے محروم کردیا تھا اور اسے باندھے رکھا، آزاد چھوڑا بھی نہیں کہ کہیں وہ کچھ کھا پی لے۔ آپؐ نے ایک عورت کے بارے میں بتایا کہ وہ اس وجہ سے اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی کہ ایک بلی کو اس نے بند کردیا اور وہ اسی قید وبند کی حالت میں مرگئی، نہ کھانے کو دیا، نہ پینے کو اور نہ آزاد کیا کہ وہ زمین پر گری پڑی چیز کھالے، تو وہ عورت جہنم رسید ہوئی۔(۲)

(۳) پرندے کے بچے نہ لیں

رسول اللہؐ نے حیوانات کے حقوق کا تذکرہ فرمایا اور تاکید فرمائی کہ پرندوں سے ان کے چھوٹے بچوں کو الگ نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کرتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپؐ کسی ضرورت سے تشریف لے گئے، ہم نے ایک سرخ رنگ کا پرندہ دیکھا، اس کے ساتھ دو چوزے تھے، ہم نے چوزوں کو پکڑلیا، ان کی ماں ہمارے اردگرد منڈلانے لگی، اتنے میں نبی اکرمؐ تشریف لائے اور پوچھنے لگے: اس پرندے کے بچوں کو لے کر اسے کس نے ستایا؟ اس کے چوزوں کو واپس کردو۔(۳)

(۴) تکلیف نہ دی جائے

آپؐ نے حیوانات کے حقوق کے ذیل میں فرمایا کہ حیوانات کو بے وجہ ستایا نہ جائے، تکلیف نہ دی جائے اور مارنے سے گریز کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ چیونٹیوں کا ایک جھنڈ نظر آیا، ہم نے انھیں نذرآتش کردیا۔ آپؐ نے پوچھ لیا کہ کس نے جلایا؟ ہم نے جواب دیا: حضور! ہم نے: آپؐ نے فرمایا: ''آگ کے ذریعہ سزا صرف آگ کے رب کے لیے زیبا ہے۔''(۴)

(۱) بخاری: ۲۳۶۳، مسلم: ۲۲۴۴ (۲) مسلم: ۲۲۴۲ (۳) ابوداؤد: ۵۲۶۸
(۴) ابوداؤد: ۵۲۶۸

(۵) نشانہ نہ بنائیے

حیوانات کے حقوق کے سلسلے میں حضورؐ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ لوگ نشانہ بازی کی مشق کے لیے کسی جان دار کو نشانہ نہ بنائیں۔ کسی زندہ پرندہ کو نشانہ گاہ پر نصب کردیں اور اس پر نشانہ سادھیں، جیسا کہ عالمی مقابلوں اور شکار و گھڑسواری کے کلبوں میں ہوتا ہے۔ کبوتر یا کسی پرندہ کو مشق کے لیے نشانہ سادھنے کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ حدیث میں واضح ہدایت ہے کہ ’’کسی ایسی چیز کو نشانہ مت بناؤ جس کے اندر روح ہے۔‘‘ (۱)

(٦) برا بھلا کہنے کی ممانعت

حیوانات کے حقوق میں سے ایک حق ایسا ہے جیسے عطا کرنے میں دنیا کا کوئی شخص آپؐ سے بازی نہیں مار سکا۔ وہ حق یہ ہے کہ ان کو برا بھلا نہ کہا جائے گو وہ سمجھتے نہیں۔ لیکن بحیثیت جان دار ہونے کے ان کی قدر کی جائے۔ وہ انسان کے کام آتے ہیں اس لیے انسان ان کی قدر کرے اور ان کو برا بھلا نہ کہے۔

حضورؐ نے ایک خاتون کی آواز سنی کہ وہ اونٹنی کو کوس رہی ہے اور اسے لعن طعن کر رہی ہے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: ’’اونٹنی پر جو ساز و سامان ہے اسے اتارلو اور اسے خالی کردو کیوں کہ اب یہ ملعون ہوگئی ہے۔‘‘ (۲)

(۷) ستانے کی ممانعت

حضورؐ نے حیوانات کو سزا دینے اور تکلیف پہنچانے سے سخت منع فرمایا ہے۔ اگر آپؐ دیکھتے کہ کوئی کسی جانور کو تکلیف پہنچا رہا ہے یا آگ سے داغ رہا ہے تو ناراض ہوتے۔ چنانچہ راہ گزرتے ہوئے آپؐ نے دیکھا کہ ایک گدھے کے چہرے کو آگ سے داغا گیا ہے تو آپؐ نے بد دعا دی کہ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اسے داغا ہے۔ (۳)

(۱) مسلم: ۱۹۵۷ (۲) مسلم: ۲۵۹۵ (۳) مسلم: ۱٦۷۳

رسول اور پڑوسی

پڑوسی کا درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔ گھر کے قریب رہنے والے پڑوسی کہلاتے ہیں۔ گھر کے آس پاس رہنے والے لوگ کچھ دوری پر کیوں نہ رہتے ہوں وہ بھی پڑوسی ہیں۔ ان کا مذہب دوسرا ہے۔ ان کا رنگ الگ ہے۔ ان کی شہریت الگ ہے۔ لیکن آپ کے محلے میں رہتے ہیں تو وہ آپ کے پڑوسی ہیں۔ محلہ شہر کا ایک حصہ ہوتا ہے، جو چند گھروں سے بنتا ہے۔ ہر گھر دوسرے گھر کا پڑوسی ہے۔ جب محلے اور کالونی کے سارے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور ہر پڑوسی دوسرے پڑوسی کے حقوق ادا کرتا ہے تو سب مطمئن وخوش رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے تکمیل کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ سب ایک خاندان کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ایسا محلہ معاشرہ کا ایک فعال حصہ بن جاتا ہے اور مثبت کارکردگی میں نمایاں رول ادا کرتا ہے۔ اگر پڑوسیوں کے معاملات خراب ہوتے ہیں تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ سکون ناپید ہو جاتا ہے۔ ایسا محلہ پریشانیوں اور دقتوں کا جمگھٹا بن جاتا ہے اور تعمیر وترقی کے بجائے بربادی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان وجوہات کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑوسیوں کے بہتر تعلقات کی طرف بڑی توجہ فرماتے تھے۔

قرآن میں پڑوسیوں کے حقوق

قرآن کریم نے پڑوسی سے تعلقات کی استواری کو معاشرے کی ترقی کی علامت قرار دیا ہے اور پڑوسی کے حقوق وواجبات کی یہ حیثیت ہے کہ ان کو ادا کیے بغیر کسی مومن کا

اسلام قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا۔ سورۂ نساء کی کئی آیات پڑوسی کے حقوق کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿٣٦﴾ (۱)

’’اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔‘‘

پڑوسی کے بارے میں رسولؐ کی ہدایات

رسول اللہؐ نے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی کہ لگتا تھا کہ اسے وارث ہونے والے رشتہ دار کا درجہ عطا فرما دیں گے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: ’’جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ پڑوسی کا حصہ وراثت میں بھی قرار دیں گے۔‘‘ (۲)

پڑوسی کو اذیت پہنچانے کی سزا

اسلام میں پڑوسی سے رشتہ کی اہمیت کا اندازہ لگایئے کہ پڑوسی کو اذیت دینے

(۱) النساء:۳۶ (۲) ابوداؤد:۵۱۵۸

والے کو اس کی دین داری اور عبادت کی کثرت بھی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ ایک صاحب آئے، حضورؐ سے کہنے لگے: فلاں عورت کی لمبی نمازوں، روزے پہ روزے اور راہ خدا میں مال لٹانے کا ہر طرف چرچا ہے، لیکن وہ اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں ہوگی۔ ان صاحب نے پھر پوچھا: فلاں عورت کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ وہ روزے کم رکھتی ہے، صدقہ کم دیتی ہے، (نفل) نمازیں بھی کم پڑھتی ہے۔ پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کر دیتی ہے، لیکن اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ جنت میں ہوگی۔ (۱)

پڑوسی کے حقوق

حضورؐ نے بہت سی احادیث میں پڑوسیوں کے حقوق بتائے ہیں۔ ان میں سے چند خاص حقوق یہ ہیں:

(۱) سلام کرنا، احترام کرنا

(۲) بشاشت سے ملنا

(۳) عیادت کرنا

(۴) خوشی و غم میں ساتھ دینا

(۵) کمیوں کو برداشت کرنا

(۶) پڑوسی کی محرم خواتین سے پردے کا اہتمام کرنا

(۷) ضرورت کے وقت مدد کرنا

(۸) خیر خواہانہ جذبات کا اظہار کرنا، نصیحت کرنا

(۹) ملاقات کرنا، احوال معلوم کرنا۔

---

(۱) منذری، صحیح الترغیب: ۲۵۶۰

رسول اور یتیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل یتیمی کی زندگی گزاری۔ آپؐ سے زیادہ یتیمی کی سرگزشت سے کون واقف ہوگا۔ آپؐ کے والد ماجد کا انتقال اسی وقت ہوگیا جب آپؐ ماں کے پیٹ میں تھے، ابھی چھ سال کے ہوئے تھے کہ ماں کا سایہ اُٹھ گیا ہے۔ آپؐ کے دادا کفالت کرتے ہیں لیکن آپؐ آٹھ سال کے ہوتے ہیں تو دادا بھی جدا ہو جاتے ہیں۔ آپ یتیمی کی کڑواہٹ کو چکھ چکے تھے، اسے محسوس کر چکے تھے، پھر بھلا آپ یتیموں کا خیال کیوں نہ کرتے؟

قرآن میں یتیم کا ذکر

قرآن میں یتیم کا لفظ پانچ مواقع پر آیا ہے۔

(۱) سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ (۱)

''اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رُشد کو پہنچ جائے۔''

یتیم کی دولت کے نگرانوں کو خطاب ہے کہ ان کی دولت بے جا صرف نہ کریں، یتیم کے مفادات کے لیے ان کی دولت کو تجارتی مواقع میں لگائیں۔

(۱) الانعام: ۱۵۲

(۲) سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ (۱)

''مالِ یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے، یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔عہد کی پابندی کرو۔''

اس میں بھی وہی کی ہدایات دی گئی ہیں جو سورۂ انعام میں دی گئی ہیں۔

(۳) سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ﴿۱۷﴾ (۲)

''ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزّت کا سلوک نہیں کرتے۔''

اس میں ان انسانوں پر جو اللہ کی طرف سے مخلوق کو خیر وشر کے ذریعہ آزمائے جانے سے ناواقف ہیں، سخت تنبیہ ہے کہ وہ معاشرہ کے کمزوروں کا خاص طور سے یتیموں کا خیال نہیں رکھتے، وہ ننھے بچے جن کے باپ مرچکے ان کو پوچھتے نہیں۔

(۴) سورۂ ضحیٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۭ﴿۹﴾ (۳)

''یتیم پر سختی نہ کرو۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے یتیم پر ظلم کرنے اور اس کا مال ہڑپنے سے منع کیا ہے۔یتیم کی حق تلفی، دھمکانے اور اسے حقیر سمجھنے سے روکا ہے۔

(۵) سورۂ ماعون میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ﴿۲﴾ (۴)

''وہی تو ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے۔''

اس آیت میں دین کو جھٹلانے والے کے بارے میں گفتگو کی جارہی ہے جو یتیم پر ظلم

(۱) بنی اسرائیل: ۳۴ (۲) الفجر: ۱۷ (۳) الضحیٰ: ۹ (۴) الماعون: ۲

کرتا ہے اور اس کا حق اس طرح کھا جاتا ہے گو کہ اس کے حقوق کا تحفظ و دفاع کر رہا ہے۔

یتیم کے بارے میں احادیث

یتیم معاشرہ کے ایک کمزور عنصر کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے رسول اللہؐ نے اس کا بڑا خیال رکھا۔ کمزور کا دھیان رکھنا دوسروں کی کفالت کرنے والے معاشرے کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یتیم کی کفالت اور ہمدردی کو اولین درجہ حاصل ہے۔ اس بارے میں کئی حدیثیں آئی ہیں:

(۱) یتیم کے کفیل کے لیے جنت کی ضمانت

حضورؐ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپؐ نے دو انگلیوں (شہادت اور برابر والی) سے اشارہ فرمایا۔(۱)

یتیم کی کفالت میں اس کی تربیت اور اس کے معاملات کی نگرانی سب شامل ہے۔ یہ رشتہ دار کرے یا غیر رشتہ دار اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ کے یہاں اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

(۲) سات تباہ کن چیزیں

یتیموں کے حقوق کا تحفظ رسول اکرمؐ کو بے حد عزیز تھا، اس لیے آپؐ نے یتیم کے مال پر قبضہ یا اس کے مال کے ساتھ نامناسب کارروائی کو بڑا جرم قرار دیا، جس کا انجام جہنم ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں: ''سات تباہ کن چیزوں سے بچو''۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! بتائیں وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک، جادو، اللہ نے جس جان کو محترم قرار دیا ہے، اس کا قتل الا یہ کہ اسے قتل کرنا برحق ہو، یتیم کا مال کھانا، جنگ میں پشت دکھانا، پاک دامن اہل ایمان بھولی خواتین پر تہمت لگانا۔'' (۲)

---

(۱) صحیح الترمذی: ۱۹۱۸ (۲) بخاری: ۶۸۵۷

رسول اور فقراء

مدینہ کے سماج پر غربت کا غلبہ تھا۔ مال داروں کی تعداد بہت کم تھی، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریبی و امیری کی خلیج پاٹنے اور افلاس کے مسئلے کو حل کرنے کی مختلف کاوشیں فرما رہے تھے اور قرآنی و نبوی تعلیمات پیش فرما رہے تھے اور اس کی رہ نمائی کے مطابق باہمی کفالت اور جذبۂ انفاق کو پروان چڑھا رہے تھے۔ فریضۂ زکوٰۃ اور صدقات کی ترغیب کے ذریعے غربت زدہ معاشرہ کو باہم ایک دوسرے کی کفالت کرنے والے اور ہمدردی سے سرشار معاشرے میں بدل دیا، جس کے طفیل طبقاتی نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ غریبوں اور مال داروں کی آپسی رنجش مٹ گئی، پھر غربت و فقر فطری اور معمول کی سطح پر آ گئے۔

نبی اکرمؐ نے غربت کے مسئلے کا ازالہ کیسے کیا؟

رسول اللہؐ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے وہ معاشرہ غربت و افلاس کی زد میں تھا۔ لیکن آپؐ نے اس کا حکیمانہ و مدبرانہ حل پیش کیا اور اس کے خاتمے کے لیے مختلف تدابیر پیش کیں جس نے غربت کو جڑ سے اکھاڑ تو نہیں پھینکا لیکن اس کی شرح کم سے کم ہو گئی۔

(۱) ہر فرد کے لیے کام ضروری

ہر فرد روزی کمانے اور اس کے لیے کوشش کرنے کا پابند کیا گیا، اسے ترغیب دی گئی کہ وہ سارے اسباب کا استعمال کرے، کمانے کی ہر طرح کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور دوسروں کے بھروسے نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۱)

’’پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔‘‘

کتاب ہدایت میں انسانیت کے نام پیغام ربانی ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد روٹی روزی کی تلاش کے لیے تگ ودو شروع کردیں اور خرید وفروخت کے ذریعہ منافع حاصل کر کے اپنے اور اہل وعیال کے خورد ونوش کا انتظام کریں۔

اسی طرح دوسری ہدایت ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

هُوَالَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝۱۵ (۲)

’’وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے۔ چلو، اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اسی کے حضور تمھیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے زمین کو جولان گاہ بنایا کہ معاش کے حصول کے لیے تمام ذرائع کا استعمال کیا جائے اور محنت ومشقت کے ذریعہ اللہ کی پھیلی ہوئی زمین سے کسب معاش کرے اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے کچھ طلب کیا۔ آپؐ نے ان کو بڑے مہذب انداز میں متوجہ فرمایا تا کہ ان کی انا کو ٹھیس نہ پہنچے کہ وہ اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کریں اور سوال سے پرہیز کریں۔ یہ جلیل القدر صحابی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:

وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے طلب کیا آپؐ نے عطا فرمایا، اس کے بعد

(۱) الجمعہ:۱۰ (۲) الملک:۱۵

پھر سوال کیا آپؐ نے پھر عطا فرمایا۔اور فرمایا:''بے شک یہ دولت ہری بھری اور شیریں ہے جس نے خوش دلی سے حاصل کیا اسے اس میں برکت عطا ہوئی اور جس نے لالچ کے ساتھ حاصل کیا تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوگی اور وہ اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔(۱)

(۲) بھیک مانگنے کے خلاف اعلان جنگ

دوسروں سے پیسے یا کھانے پینے کی چیزیں مانگنا بھیک مانگنا ہے۔معاش کے لیے اسباب اختیار نہ کرنا اور دست سوال دراز کرنا بھیک مانگنا ہے۔اسی کو پیشہ بنا لینا بھیک مانگنے کا پیشہ ہے۔لوگوں سے رحم کی اپیل کرنا تاکہ ان کے مال و دولت کا کچھ حصہ مل جائے، للچائی نگاہوں سے لوگوں کی طرف دیکھنا اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بنانا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔

بھیک مانگنے کو پیشہ بنانا اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت انتہائی سخت حالات میں ہے۔کوئی کمانے سے عاجز ہو، یا جو کمائی ہو رہی ہے وہ اس کی بنیادی ضرورت کی تکمیل نہیں کر رہی ہو، یا اسی طرح کے دیگر اعذار درپیش ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

> جو شخص صدقے یا صلہ رحمی کے ذریعے نوازنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کثرت سے عطا کرتے ہیں اور جو شخص مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مال کی کمی میں اور بھی اضافہ کر دیتے ہیں۔(۲)

اس حدیث میں رسول اللہؐ نے ضرورت مندوں کو صدقات دینے کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کے لیے مال میں اضافہ کی دعا فرمائی، اور جس نے ذخیرہ اندوزی کے لیے بھیک مانگنے کو پیشہ بنایا اس کے لیے بددعا کی ہے کہ اس کا مال روز بروز گھٹے گا، کیوں کہ

(۱) النسائی: ۲۵۳۰ (۲) احمد، صحیح الجامع الصغیر: ۶۲۴۶

بھیک مانگنے سے معاشرے میں سستی وکاہلی پھیلتی ہے اور دوسروں کا دست نگر رہنے کی عادت پڑتی ہے اور بے کاری عام ہوتی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔(۱)

یعنی لینے والے کے بالمقابل دینے والا بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

بخدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے جو رسّی لے اور پیٹھ پر لکڑیاں لے آئے اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اس سے مانگے اور وہ اسے دے یا نہ دے۔(۲)

اس فرمان رسالت میں خوداعتمادی کے جذبے کو پروان چڑھایا گیا ہے، اور یہ بھی بتایا گیا کہ کسی پیشے کو اس وقت تک معمولی اور حقیر نہ سمجھو جب تک اس سے انسان کی شرافت وعزت کا تحفظ ہوتا ہو، اس پیشے سے کمایا ہوا مال عزت نفس کا باعث بنتا ہو اور خوداعتمادی پیدا کرتا ہو، خواہ وہ پیشہ لوگوں کی نظر میں کتنا ہی حقیر ہو۔

(۳) زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ زکوٰۃ پر ایمان وعمل کے بغیر انسان کا دین صحیح نہیں ہوتا ہے۔ زکوٰۃ مال کا وہ حصہ ہے جسے اللہ کے لیے نکالنا ضروری ہے۔ اس کے حق دار کون ہیں اس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس فہرست میں فقیر ومسکین بھی شامل ہیں۔ فقیر وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کی ضروریات کی تکمیل ہوسکے۔ کبھی اس کے پاس ایک دو دن کا صرفہ بھی نہیں ہوتا، مسکین کا حال فقیر سے کچھ بہتر ہوتا ہے، لیکن وہ بھی اپنی ضرورتوں کے بقدر مال نہیں پاتا ہے اور

(۱) بخاری: ۱۴۲۷، مسلم: ۱۰۳۴ (۲) بخاری: ۱۴۷۰

پورے مہینہ کے گزر بسر کا سامان بھی اس کے پاس نہیں ہوتا ہے۔ دیگر بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا بھی اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اسلام نے فقیر و مسکین اور دوسری مدوں میں زکوٰۃ نکالنا مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

اہلِ صفّہ

صفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارے پر واقع تھا۔ یہاں وہ غریب صحابہ رہتے تھے، جن کا کوئی ٹھکانا نہ ہوتا تھا، نہ گھرانا ہوتا، لوگ ان کو صدقہ و خیرات دیتے۔ ان کی بڑی تعداد مکہ سے آئے مہاجروں پر مشتمل تھی۔ حضورؐ انھیں مانوس رکھتے، ان کے ساتھ بیٹھتے، کھاتے پیتے اور لوگوں سے ان کو صدقہ دینے کی اپیل کرتے۔ جب آپؐ کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز بطور صدقہ آتی تو آپؐ صفہ والوں کے پاس بھیجنے کا حکم فرماتے۔

آپؐ فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے اور اس طرح غربت کے مسئلے کا حل نکالتے۔

رسول اور غلامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن بنیادی تعلیمات کو لے کر تشریف لائے، ان میں ایک بنیادی تعلیم ''آزادی'' ہے، اسی لیے آپؐ انسان کی آزادی پر پابندی کی ہر کوشش کے خلاف نبرد آزما نظر آئے اور آزادی کی حقیقت سے آشنا کرانے اور ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش نبوت کے پہلے دن سے مکہ میں کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور میں آپؐ کے پیروکاروں میں بڑی تعداد غلاموں کی تھی۔ کیوں کہ انھوں نے غلامی کے ظلم سے رست گاری اسی دین میں دیکھی اور تاب ناک مستقبل ان کے سامنے تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جس دور میں آپؐ کی بعثت ہوئی، اس دور میں غلامی اور انسانوں کی تجارت کا سماج کی ترقیات میں شمار ہوتا تھا اور یہ تجارت کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ اس دور کی سماجی زندگی سے اس کو الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سماجی مسئلہ کا حل آپؐ نے کیسے کیا؟

غلامی صرف جزیرۃ العرب تک محدود نہ تھی، بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں تھی اور چھوٹے بڑے تمام ممالک میں معمول کا حصہ تھا۔ امریکہ میں غلامی کا نظام اور انسانوں کی تجارت صدر ابراہام لنکن کے زمانے میں جا کر بند ہوئی۔ یورپ میں بھی ۱۸۱۴ء میں تمام یورپی ممالک نے ویانا کانفرنس میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے غلاموں کی تجارت کو ممنوع قرار دیا گیا۔

غلاموں کا اولین مسیحا

غلاموں کو آزادی دلانے والے سب سے پہلے شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دنیا میں رائج غلامی کے نظام کے خلاف آواز اٹھانے والے آپؐ اولین انقلابی شخص ہیں۔ امریکہ و یورپ میں آزادی کی تحریک سے بارہ صدی پہلے محمدؐ نے چھٹی صدی عیسوی میں غلامی کے خلاف تحریک چلائی۔

(۱) قرآن میں غلاموں کو آزادی دلانے کی ترغیب

جرمن مستشرق ایڈم مٹز (Adam Mitz) کہتا ہے:

اسلام میں غلاموں کے مفاد و مصلحت میں ایک اصول تھا، اور وہ یہ تھا کہ غلام پیسوں کے عوض آزادی خرید سکتا تھا۔ غلام اور باندی کو اپنی پسند کا کام و مشغلہ مستقل طور پر اختیار کرنے کی اجازت تھی۔ نیکی و عمدہ صفات میں اس کا شمار تھا کہ انسان مرنے سے پہلے وصیت کر جائے کہ میرے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔(۱)

قرآن کریم میں غلام آزاد کرنے کے مسئلہ میں کئی آیات میں اللہ کا فرمان ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ (۲)

''انسان نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اورتم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشواری گزار گھاٹی؟ گردن کو غلامی سے چھڑانا۔''

آخرت کی مشکلات دور کرنے کا ایک ذریعہ غلاموں کی آزادی قرار دیا گیا ہے۔

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

(۱) الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری: ۱/۲۹۰ (۲) البلد: ۱۱-۱۳

الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ (۱)

’’ان سے مکاتبت کرلو، اگر تمھیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے،

اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ وہ غلاموں کو یہ فیصلہ کرنے کا حق دیں کہ وہ مال کے بدلے خود کو آزاد کرالیں تا کہ غلامی سے نجات پائیں۔ دوسری طرف یہ بھی فرمایا کہ جو غلام آزادی کے لیے مطلوب رقم ادا نہیں کر پاتے ان کی مالی مدد کریں تا کہ وہ غلامی کے چنگل سے نکل سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا قرار دیا، جیسے قتل کی بعض صورتوں اور ظہار کے کفارہ میں بھی ہے۔ (ظہار ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اس لفظ سے کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہہ دے تو مجھ پر میری ماں یا بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی لیکن کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ کفارہ کی ایک صورت غلام آزاد کرنا ہے۔) (مترجم)

(۲) غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب

محمدؐ کی زندگی میں جب بھی کوئی موقع آیا تو اسے غنیمت سمجھا اور غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ آپؐ کو بخوبی یہ اندازہ تھا کہ جو برائی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کی جڑیں بے حد مضبوط ہیں۔ اس کا خاتمہ 23 سالہ مدت میں نہیں کیا جا سکتا۔ (اور یہی 23 سال دور نبوت ہے جب کہ چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو نبوت ملی تھی) لیکن آپؐ نے اس رسم کی بیخ کنی کی بنیادیں رکھ دیں، جس کے نتیجے میں آپؐ کے بعد پورے عالم اسلام میں غلامی کا صفایا ہو گیا۔ آپؐ نے آزادی کی بنیادوں پر عمل شروع کر دیا، اور عملاً ان بنیادوں کو نافذ کیا۔ اس کے لیے ایک طریقہ یہ بھی اپنایا کہ دوزخ کی آگ سے آزادی کو غلام کی آزادی سے جوڑ دیا اور فرمایا: ’’جس مسلمان نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو وہ اس

(۱) النور: ۳۳

کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ اس کے ہر جوڑ کا بدلہ اس کو دیا جائے گا۔ جو مسلمان عورت کسی مسلمان باندی کو آزاد کرے تو وہ اس کے لیے جہنم سے رست گاری کا ذریعہ ہوگا۔ اس کے ہر جوڑ پر اسے اجر دیا جائے گا۔ اور جو مسلمان دو مسلم باندیوں کو آزاد کرے تو وہ دونوں جہنم سے اس کی نجات کا سبب بنیں گی۔ ان کا ہر دو جوڑ اس کے ہر جوڑ کے عوض ہوگا۔ (۱)

ایک صاحب خدمت رسالت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے دریافت کیا: بہترین کام کیا ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا: اللہ پر ایمان لانا۔ راہ خدا میں جہاد کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کس غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟ فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالک کا سب سے پسندیدہ ہو۔ (۲)

اس فرمان کے ذریعہ بتانا مقصود یہ ہے کہ غلام کی قیمت جس قدر زیادہ ہوگی وہ اتنا ہی مالک کو عزیز ہوگا، پھر اس کا آزاد کرنا اللہ کے یہاں بھی بہت پسندیدہ عمل ہوگا۔

غلام جس کو آزاد کرنے کے بعد آپؐ نے منہ بولا بیٹا بنالیا

غلاموں کے ساتھ رسول اللہؐ کے برتاؤ کی انتہائی حسین و معیاری مثال ملتی ہے۔ خدیجہؓ کا غلام زید بن حارثہ آٹھ سال کا تھا۔ انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ کر دیا۔ آپؐ نے اسے آزاد کر کے منہ بولا بیٹا بنالیا اور اسے اولاد کی طرح رکھا۔

اس کے بعد اللہ کی طرف سے منہ بولا بیٹا بنانے کی ممانعت کر دی گئی اور اس بات پر ابھارا گیا کہ اولاد کو ان کے اصل باپ کی نسبت سے پکارا جائے۔ رسول اللہؐ زید سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ آپؐ کے پیار سے وہ اس قدر سرشار تھے کہ جب ان کے باپ اور چچا تلاش کرتے ہوئے مکہ پہنچ گئے اور دربار نبوت میں حاضر ہوئے، تاکہ زید کو واپس اپنے ساتھ لے جاسکیں۔ زید کے حقیقی بھائی جبلہ بن حارثہ یہ واقعہ بیان کرتے

(۱) طبرانی، البانی نے صحیح کہا۔ (۲) مسلم: ۸۴

ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: حضور! زید کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ حضورؐ نے جواب دیا: زید تمھارے سامنے ہیں، اگر تمھارے ساتھ جانا چاہیں تو میں منع نہیں کروں گا۔ یہ سنتے ہی زید بول پڑے: اللہ کے رسول! بخدا میں آپؐ کے مقابلے میں کسی کو منتخب نہ کروں گا۔ جبلہ کہتے ہیں: میں نے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے بہتر پایا۔(۱)

یہ آپؐ کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ زید کی شادی اپنی چچازاد زینب بنت جحشؓ سے کرادی اور ایک بڑی جنگ کا ان کو کمانڈر بنایا۔ یہ واحد ایسے صحابی ہیں جن کے نام کا ذکر قرآن میں آیا، زید کے ایک فرزند تھے، جن کا نام رسول اللہ نے ''اسامہ'' رکھا۔

آپؐ ان سے بیٹے کی طرح محبت فرماتے اور ان پر آپؐ کی خاص توجہ رہتی، حتیٰ کہ آپؐ نے وفات سے پہلے روم کے مقابلے کے لیے بھیجے جانے والے لشکر کا ان کو امیر مقرر فرمایا۔

رسول اللہؐ نے زندگی کی آخری سانس تک غلامی کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ آپؐ آخری سانس لے رہے تھے اور غلاموں کے بارے میں حسن سلوک کی تاکید کررہے تھے۔ علی بن ابی طالب نے روایت کیا کہ رسول اللہؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخری کلمات تھے: ''نماز نماز۔ غلاموں کے دست نگروں کے بارے میں اللہ کا خوف رکھنا۔''(۲)

---

(۱) صحیح الترمذی: ۳۸۱۵، البانی نے صحیح کہا (۲) ابوداؤد: ۵۱۵۶، البانی نے صحیح کہا

رسول اور رحمت

اللہ تعالیٰ نے رحمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت کے طور پر قرآن میں ذکر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۷﴾ (۱)

''اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا، مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر۔''

سورۂ آل عمران میں فرمان الٰہی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (۲)

''یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔''

آپ کی یہ صفت رحمت چھوٹے بڑے، حیوانات حتّٰی کہ جمادات تک کے لیے تھی۔ یہی رحمت دین اسلام کے اندر لوگوں کے داخلے کا نمایاں ترین سبب تھی۔ یہی رحمت ایک چھوٹے سے معاشرے کے درمیان ہم آہنگی و یک جہتی، اور نئی وجود میں آنے والی امت کی اپنے رحم و شفیق رہ نما سے محبت کا نمایاں ترین سبب تھی۔

تحفۂ رحمت

رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس آیت کریمہ کی معنویت کی ترجمان تھی:

(۱) الانبیاء:۱۰۷ (۲) آل عمران:۱۵۹

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ (۱)

''اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا، مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر۔''

چنانچہ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

انا رحمة مهداة (۲)

''میں رحمت کا ایک تحفہ ہوں۔''

آپؐ لوگوں کے تیئں رحمت ہونے کی انتہائی عمدہ مثال اس طرح پیش کرتے ہیں:

''میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے الاؤ جلایا، جب چاروں طرف روشنی پھیل گئی تو پتنگے اور کیڑے مکوڑے آگ میں گرنے لگے، یہ شخص ان کو نکالنے لگا، لیکن وہ اس پر حاوی ہو گئے اور آگ کے اندر چلے گئے، اس طرح میں تمہاری کمر پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور تم اسی میں کودے جارہے ہو۔'' (۳)

آپؐ کی رحمت کو بیان کرنے کے لیے یہ عمدہ تمثیل ہے۔ لوگوں کو پتنگوں اور ہوا میں اڑنے والے کیڑے مکوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جن کو آگ کی چمک بھا جاتی ہے اس کی رونق دل نشین ہو جاتی ہے اور شعاعوں کی سحر انگیزی گرفت میں لے لیتی ہے، پھر وہ بے اختیار آگ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور رسول کی مثال اس شخص سے دی گئی ہے جو آگ میں گرنے سے پتنگوں کو روکنے کے لیے بے چین و کوشاں ہے، لیکن لوگ ہیں کہ مانتے نہیں اور آگ کی طرف بڑھے جارہے ہیں۔ جہنم کی آگ میں جانے سے بچانا آپؐ کا مقصد ہے اور یہ آپؐ کی کمالِ رحمت کی انتہا ہے۔

رسول اللہؐ امت کو لوگوں پر رحم کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے:

إنما يرحم الله من عباده الرحماء (۴)

---

(۱) الانبیاء: ۱۰۷ (۲) حاکم، دارمی: ۲۳۴۵، البانی نے صحیح کہا

(۳) بخاری: ۶۱۱۸ (۴) بخاری: ۱۲۲۴

”جو بندے لوگوں پر ترس کھاتے ہیں اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔“

بڑے چھوٹے سب پر مہربان

رسول اللہؐ کی زندگی میں بڑوں اور چھوٹوں پر رحمت و مہربانی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔اسی لیے آپؐ لوگوں کو اسی طرح کی مہربانیوں کی تعلیم دیتے۔حضورؐ فرماتے ہیں:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا(۱)

”جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

آپؐ بچوں کی پٹائی اور سزا دینے سے روکتے اور لوگوں کو سکھاتے کہ بچوں سے خوش دلی وخوش مزاجی سے پیش آئیں۔ ان کی کمزوری اور ضرورتوں کی رعایت کی تعلیم دیتے،ان کی مدد کرنے پر آمادہ کرتے،ان کو ذلیل ورسوا اور نا قابل توجہ سمجھنے سے روکتے۔

خطا کاروں کے لیے بھی مہربان

آپؐ خطا کاروں کو دیکھتے یا جرم کا اعتراف کرنے والے آپؐ کی خدمت میں آتے تو آپؐ ان پر سختی نہ فرماتے، نہ ڈانٹ ڈپٹ کرتے، نہ انھیں تنگ کرتے، بلکہ بڑی محبت وشفقت اور ہمدردی سے انھیں سمجھاتے تاکہ وہ آسانی وسہولت سے غلطی کی تلافی کرلیں۔خطا کاروں کے ساتھ محبت آمیز رویہ کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱)**مسجد نبوی میں پیشاب کرنا:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بدو آیا، مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگا،لوگ اس کی طرف لپکے۔رسول اللہؐ نے حکم دیا رہنے دو اسے پیشاب کر لینے دو۔ہاں ایک بالٹی پانی پیشاب پر بہادو۔تمہیں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے برپا کیا گیا ہے، پریشانیوں میں ڈالنے کے لیے نہیں۔(۲)

یہ اخلاق کا کتنا حیران کن معیار ہے۔ یہ بدو ساری جگہ چھوڑ کر نماز کی جگہ پہنچا اور

(۱)ترمذی:۱۹۱۹ (۲)بخاری:۲۲۰

پیشاب کرنے لگا۔ جب صحابہ نے دیکھا تو اسے پیشاب سے روکنے اور اس کی تادیب کے لیے آگے بڑھے، لیکن رسول اللہؐ نے ان کو روک دیا اور پیشاب پورا کر لینے کا موقع دیا۔ پھر صحابہ کو حکم دیا کہ ایک بالٹی پانی اس جگہ پر بہا دیں۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو اس کی چوک کے بارے میں بتا دیا گیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد صحابہ کو بتایا کہ لوگوں تک اللہ کا پیغام آسانیوں کی سوغات لے کر پہنچایا جاتا ہے، دشواریاں پیدا نہیں کی جاتیں۔

(۲) حضورؐ کے خادم انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ چل رہا تھا، آپؐ ایک نجرانی رنگ دار چادر زیب تن کیے ہوئے تھے، جس کا کنارہ موٹا تھا۔ ایک بدو آپؐ تک پہنچ گیا اور آپؐ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ رسول اللہؐ کا رخ اس کے سینے کی طرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ میری نظر مونڈھے کی سفیدی پر پڑی جس پر زور سے چادر کے کنارے سے رگڑ کھانے کا نشان تھا۔ بدو نے کہا: اے محمدؐ! اللہ کا مال جو آپؐ کے پاس ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجیے۔ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنسے۔ پھر اس کے لیے مال دینے کا حکم دیا۔(۱)

میرے ساتھ اُس منظر کا آپ بھی تصور کیجیے۔ صحرا سے ایک شخص آتا ہے اور حاکم وقت کے ساتھ بے ادبی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس شخص نے چادر اتنی قوت کے ساتھ کھینچی کہ حاکم وقت کی گردن اس ظالم بدو کے سینے کے قریب پہنچ گئی۔ پھر بڑے سخت انداز اور کڑے لہجے میں کہتا ہے کہ اللہ کے مال میں سے مجھے دو۔ اس سخت و تند خو کا جواب حاکم مسکراہٹ سے اور مال دینے کے فرمان سے دے رہا ہے۔ آخر رسول اللہؐ رحمت کے کس درجہ پر فائز تھے!

(۳) **ایک جوان زنا کی اجازت چاہتا ہے:** ایک جوان رسول اللہؐ سے زنا کی اجازت چاہتا ہے جو اسلام میں ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ کس قدر حکیمانہ و رحم دلی کا برتاؤ دنیا کے سامنے آتا ہے۔ اس کی ایک جھلک پیش ہے۔

---

(۱) بخاری ۵۸۰۹ و مسلم: ۱۰۵۷

حضرت ابو امامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے، یہ سنتے ہی لوگ اس کی طرف بڑھے اور زجر و توبیخ کرنے لگے اور کہنے لگے خبردار خبردار! آپؐ نے فرمایا: قریب آؤ۔ وہ اور ذرا قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنی ماں کے ساتھ زنا کیے جانے کو پسند کرو گے؟ نوجوان نے کہا کہ میں آپ پر قربان، بخدا بالکل نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا: کیا اسے اپنی بیٹی کے لیے گوارا کرو گے؟ اس نے کہا، کبھی نہیں، میں آپؐ پر قربان جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے گوارا نہیں کرتے۔ آپؐ نے پوچھا: کیا اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے کہا بالکل نہیں بخدا۔ میں آپؐ پر قربان! حضورؐ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کریں گے۔ حضورؐ نے پوچھا: کیا اپنی پھوپھی کے لیے بہتر جانو گے؟ اس نے کہا: نہیں بخدا نہیں۔ میں آپؐ پر قربان۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے بہتر نہیں سمجھتے۔ حضورؐ نے پوچھا: کیا اپنی خالہ کے ساتھ پسند کرو گے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں۔ بندہ آپؐ پر قربان۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی خالاؤں کے ساتھ پسند نہیں کریں گے۔ راوی کہتے ہیں: رسول اللہﷺ نے اس کے سینے پر دستِ مبارک رکھا اور دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے۔ اس کے دل کو صاف کر دے۔ اس کی آبرو کی حفاظت فرما''۔ راوی کہتے ہیں: اس کے بعد وہ نوجوان کبھی اس طرح کی برائیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔(۱)

---

(۱) احمد: ۲۲۲۱۱، شعیب ارناؤط نے صحیح کہا

رسول اور عفوودرگزر

عفوودرگزر کہتے ہیں کسی غلطی پر داروگیر نہ کرنا، اسے نظرانداز کرنا اور سزا نہ دینا۔ لسان العرب میں ابن منظور نے ''عفو'' کی تعریف یوں کی ہے: جرم کو نظرانداز کرنا، اس کی سزا نہ دینا، عفو کی اصل محو یعنی مٹانا ہے۔ (لسان العرب)

جب قدرت ہو اور جس پر زیادتی کی گئی ہو وہ زیادتی کرنے والے سے انتقام لینے کی طاقت رکھتا ہو، پھر بھی معاف کردے اور عفوودرگزر سے کام لے، تو یہ بڑی خاص صفت بن جاتی ہے۔ یہ ایسی نادرونایاب خوبی ہے جو صرف بڑوں اور شریفوں کا خاصہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے جنھوں نے اپنے نفس کی بہترین تربیت کی ہے اور اپنے جذبات پر قابو پالیا ہے اور تعصب اور انسانی وساوس کے شکار نہ ہوئے، بلکہ انھوں نے ایمان اور عقل کو فیصل بنایا۔ اور وہ انتقامی کارروائی کے خطرناک انجام اور منفی اثرات پر نگاہ رکھتے ہیں۔

قرآنی تربیت

عفوودرگزر کی اعلیٰ صفت سے مالا مال ہونے کے بارے میں اللہ نے نبی برحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم میں کئی آیتیں اتاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ

وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝۱۳۴ (۱)

’’دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔‘‘

پرہیزگار لوگوں کی امتیازی صفات دو ہیں:

(الف) غصہ پینا: اشتعال اور انتقام نفس میں چھپے غصہ کو دبانا۔

(ب) لوگوں کو معاف کرنا: لوگوں سے درگزر کرنا، دارو گیر نہ کرنا اور سزا نہ دینا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۲)

’’(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔ اِن کے قصور معاف کر دو، اِن کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی

(۱) آل عمران: ۱۳۳، ۱۳۴ (۲) آل عمران: ۱۵۹

کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

اس میں رسول اللہؐ کو ربانی ہدایات دی گئی ہے کہ جب صحابہ سے کوئی غلطی ہوجائے تو ان کے ساتھ سختی وتند خوئی کا معاملہ نہ کریں، بلکہ نرم خوئی وعفوودرگزر سے پیش آئیں۔ غلطیوں کو معاف کردیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سخت گیری وسخت مزاجی سے بچنے کے لیے آپؐ کو چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (۱)

''جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصّہ آجائے تو درگزر کرجاتے ہیں۔''

اس آیت میں مؤمنوں کی عمدہ خوبیوں کا تذکرہ ہے۔ان میں چند نمایاں خوبیاں یہ ہیں:

(۱) گناہ کبیرہ سے بچنا۔

(۲) غصے کی حالت میں کوئی ان کی حق تلفی کرجائے تو اس کو معاف کردینا۔

رسول اللہؐ کی عملی زندگی میں عفوودرگزر

قرآن کی وہ آیات جو آپؐ کے پیروؤں کو عفوودرگزر کی تعلیم دیتی ہیں۔ان آیات کا مرقع آپؐ کی عملی زندگی میں جابجا نظر آتا ہے۔آپؐ کی زندگی عفوودرگزر اور چشم پوشی کی حسین صفت کا رنگارنگ گل دستہ تھا۔دشمنوں، دوستوں، منافقوں اور دیگر لوگوں کے لیے جو بھی کچھ غلط کرتا اس کے لیے معافی تھی۔

(۱) **قریش کو عام معافی:** آپؐ کو مکہ میں نبوت سے سرفراز کیا گیا۔آپؐ نے اعلان کیا کہ میں سارے عالم کے لیے رسول ہوں۔ پھر کیا تھا مکہ کے لوگوں، (قبیلہ

(۱) الشوریٰ: ۳۷

قریش) کی طرف سے ہر طرح کی جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ پہلے گالیاں، شکوک وشبہات پیدا کرنا، آپؐ کے ماننے والوں کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنانا۔ پھر بنی ہاشم (جو آپؐ کے عزیز تھے) کا سماجی واقتصادی بائیکاٹ کرنا۔ تمام مکہ کے باشندوں کو بنی ہاشم سے خرید وفروخت، شادی بیاہ اور ہر طرح کے تعلق کا خاتمہ تین سال تک جاری رہا۔ وہ ہلاکت کے منہ میں پہنچ گئے، درختوں کی چھال اور چمڑا کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جب ایذا رسانی کی حد ہوگئی تو رسول اللہؐ کے ساتھیوں نے حبشہ کی طرف کوچ کیا۔ اس کے بعد دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہوئی۔ اہل مکہ ان کی ساری جائداد، گھر اور املاک پر قبضہ کرلیا۔ پھر ان سے جنگیں شروع ہو گئیں۔ آپؐ کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ طاقت بھی بڑھ گئی۔ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو مکہ والوں کو جمع کیا۔ مکہ کے ڈرے سہمے لوگوں نے سوچا کہ آج تو رسول اللہؐ سارے غموں، زخموں اور مظالم کا حساب چکائیں گے، جن سے ان کو اور ان کے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو سابقہ پڑا تھا۔ لیکن رسول رحمتؐ نے ان سب کو اپنے رحم دلانہ سلوک سے حیرت میں ڈال دیا۔ ان پر قدرت پانے کے بعد معافی کا عام اعلان کر دیا اور اعلان فرمایا: جو ابوسفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے اسے امن ہے، جو مسجد حرام میں آجائے اسے امن ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے امن ہے۔(۱)

(۲) **بڑے کافر جنگجوؤں کو معافی:** رسول اللہؐ نے قریش کے بڑے بڑے جنگجوؤں کو معاف کر دیا جو مسلمانوں کے خلاف قیادت کرتے تھے۔ ان میں سرفہرست خالد بن ولید تھے، جنہوں نے جنگ احد میں کافر فوج کی سپہ سالاری کی تھی اور وقتی طور پر کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اسی طرح عمرو بن عاص اور عکرمہ بن ابوجہل۔ عکرمہ کا باپ ابوجہل رسول اللہؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ عکرمہ بیس سال تک

(۱) فقہ السیرۃ: ۳۷۷

برابر آپؐ کے خلاف برسر پیکار رہے۔ رسول اللہؐ نے اس کا خون جائز قرار دیا تھا۔ لیکن جب ان کی مسلمان بیوی ام حکیم نے انھیں امان دے دی تو رسول اللہؐ نے معاف فرما دیا۔ سراقہ بن مالک عرب کے مشہور شہ سوار، یہ وہی ہیں جنھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران آپؐ کو پالیا تھا، لیکن جب آپؐ نے ان پر قدرت پالیا تو معاف کر دیا۔ یہ عمیر بن وہب ہیں جو جنگ سے پہلے جنگ کے شعلے بھڑکایا کرتے تھے۔ وہ مدینہ منورہ نبیؐ کے قتل کے ارادے سے گئے۔ جب راز کھلا اور پکڑے گئے، تو رسول اللہؐ نے انھیں معاف فرما دیا اور یہ معافی ان کے اور دوسرے بہت سے لوگوں کے لیے اسلام لانے کا ذریعہ بنی۔

(۳) **قتل کی کوشش کرنے والے کو معافی:** بہت سے لوگوں نے رسول اللہؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور ان کی ساری کوششیں اکارت ہوگئیں۔ جن لوگوں نے آپؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی ان میں سے زیادہ تر کو آپؐ نے معاف کر دیا۔ اس طرح کی معافی کی ایک سرگزشت اس طرح ہے۔ آپؐ کے ایک صحابی جابر بن عبداللہؓ غزوے سے آپؐ کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ واپسی کے وقت رسول اللہؐ لشکر کے ساتھ آرام کرنے کے لیے فروکش ہوئے۔ ایک درخت کے نیچے قیام پذیر ہوئے اور تلوار درخت پر لٹکا دی۔ ہم سب بیک وقت سوئے ہوئے تھے۔ اچانک رسول اللہؐ ہمیں آواز دینے لگے۔ اس وقت ایک بدو آپؐ کے پاس تھا۔ حضورؐ نے بتایا: میں سو رہا تھا کہ اس نے میری تلوار میرے اوپر تان لی۔ میری آنکھ کھل گئی تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس بدو نے مجھ سے کہا: بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین بار کہا: اللہ۔ آپؐ نے اسے سزا نہیں دی۔(۱)

ایک روایت میں آیا ہے کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی تو حضورؐ نے تلوار اٹھالی، پھر

---

(۱) بخاری: ۹۹۱۵

پوچھا کہ اب بتاؤ مجھ سے تجھے کون بچائے گا؟ تو اس نے کہا: آپؐ تلوار لینے والے بہتر ثابت ہوں۔ حضورؐ نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا: نہیں۔ لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ آپؐ کے خلاف جنگ میں شریک نہیں رہوں گا۔ آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔(۱)

(۴) **چچا کے قاتل کو معافی:** حضرت حمزہؓ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے اور ابتداء اسلام میں جن لوگوں نے آپؐ کا دفاع کیا، ان میں سے تھے۔ وہ آپؐ کے سخت ترین دشمن کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ رسول اللہؐ ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ عرب کے شہسواروں میں بھی وہ نمایاں تھے اور فن حرب وضرب کے ماہر تھے۔ مثالی بہادروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہؐ ان کو ہمیشہ جنگ میں آگے رکھتے۔ دشمنانِ اسلام کے ساتھ پہلے معرکہ کے میر کارواں وہی تھے۔ بدر کی جنگ میں بہادروں کی طرح لڑے اور نہ جانے دشمنوں کے کتنے سر اڑا دیے۔ اس لیے وہ نظر میں آگئے۔ کفار مکہ موقع کے انتظار میں تھے کہ حمزہ کے ہاتھوں مرنے والے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ جنگ احد میں انھیں یہ موقع مل گیا، جس میں ایک وحشی نامی غلام نے انھیں شہید کر دیا، تاکہ اس کے بدلے میں اسے غلامی سے آزادی مل جائے۔ چچا محترم کی جدائی سے آپؐ بہت رنجیدہ ہوئے اور ان کو سید الشہداء کے لقب سے نوازا۔ فتح مکہ کے موقع پر چچا کے قاتل وحشی کو بھی معاف کر دیا۔

---

(۱) احمد: ۱۴۹۲۹

رسول اور ماحولیات

جس فضا اور ماحول میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس کی حفاظت کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ آپ ؐ نے راستوں، درختوں، کنوؤں، دریاؤں اور سمندروں کی صفائی کے بارے میں ہدایات دیں، کیوں کہ ماحول کے رکھ رکھاؤ کا خیال رکھنا ترقی یافتہ معاشرہ کی اہم ترین خوبیوں میں سے ہے۔

(۱) پانی اور ہوا

ہمارے ماحول کو جو چیز آلودہ کرے، وہ پانی ہو کہ ہوا یا راستے تو وہ ماحول کی خرابی کا ذریعہ اور رسول اللہ ؐ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: دو لعنت زدہ لوگوں سے بچو۔ پوچھا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: ایک تو وہ جو لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے۔ دوسرا وہ جو ایسے سایہ میں، جہاں لوگ بیٹھتے ہوں، قضائے حاجت کرے۔ (۱) حضور ؐ ایسے کام سے لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں جو لوگوں کے لعن طعن کا ذریعہ بنیں، اور تکلیف پہنچائیں۔ یہ حرکت گندگی و پس ماندگی کی بدترین شکل ہے کہ عام راستے اور سایہ کے مقامات پر قضائے حاجت کی جائے۔

(۲) پانی کی آلودگی

انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت پانی ہے۔ یہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ پانی کو آلودہ کرنا یا خراب کرنا بڑا جرم ہے۔ اس کی وجہ سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا:

(۱) مسلم: ۲۶۹

''ٹھہرے ہوئے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے۔ نیز یہ کہ اسی میں پیشاب کرے اور پھر اسی میں غسل کرے۔'' ظاہر ہے اس سے بیماریاں پیدا ہوں گی اور وبائی شکل اختیار کریں گی۔ اس سے پانی کی شفافیت، اس کی بو اور اس کی پاکیزگی بھی متاثر ہوگی۔

(۳) پانی میں فضول خرچی کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو پانی کے استعمال میں میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور فضول خرچی سے روکا ہے، تاکہ پانی کا تحفظ ہو سکے اور پانی جیسی نعمت کی قدر ہو سکے۔

امام احمد اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ''رسول اللہؐ کا گزر سعد کے پاس سے ہوا، وہ وضو کر رہے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا: سعد، یہ فضول خرچی کیوں؟ سعد نے عرض کیا: حضور کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا کیوں نہیں؟ تم بہتے دریا میں وضو کرو تو بھی فضول خرچی ممنوع ہے۔''(۱)

حضرت سعدؓ نماز جیسے مقدس فریضے کے لیے وضو کر رہے تھے لیکن آپؐ نے ان کو متوجہ کیا اور بنیادی اصول یاد دلایا کہ اسراف اور فضول خرچی سے بچیں اور پانی جیسی عظیم نعمت کی قدر کریں۔

(۴) شجر کاری کی حوصلہ افزائی

شجر کاری کی حوصلہ افزائی کی بابت آپؐ سے پہلے کسی نے تعلیم نہیں دی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی میں شجر کاری کے ذریعہ شہر کی تزئین اور اس کی اہمیت کا ادراک آپؐ نے کیا۔ اس کے فوائد میں آکسیجن کی فراہمی، پرندوں کے لیے کشش اور ان کی غذا کی فراہمی ہے، پھر جس صحرائی و ریگستانی ماحول میں آپؐ رہ رہے تھے، اسے مزید صحرا اور ریگستانی بنانے سے روکنا تھا۔ اس کے پیش نظر آپؐ نے صحابہ کو شجر کاری کی ہدایت فرمائی اور اس پر اللہ کی طرف سے بدلہ پانے کی امید دلائی۔ آپؐ نے فرمایا: ''جو مسلمان شجر کاری کرتا ہے یا کھیتی کرتا ہے پھر اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا

(۱) الصحیحۃ: ۷/۸۶۰، البانی نے صحیح کہا

حیوان کچھ کھا لیتا ہے تو وہ اس کے صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔‘‘(۱)
دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: ’’جس نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا تو اس کا اسے اجر ملے گا اور زمین کی پیداوار میں سے کسی انسان، حیوان یا پرندہ نے کھایا تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا۔‘‘
محمدؐ اس طرح لوگوں کو شجر کاری پر آمادہ کرتے ہیں اور اس دنیوی کارکردگی کو اخروی اجر سے جوڑ دیتے ہیں۔

(۵) راستے کی صفائی اور حفاظت

نبیؐ ماحول کی خوبصورتی اور حفاظت کے لیے راستوں کی صفائی کو بنیادی حیثیت دیتے اور اس کا اہتمام فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں سب سے بہتر یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سب سے کمتر راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے‘‘۔(۲)
رسول اللہؐ نے ’’اذیٰ‘‘ (تکلیف دہ چیز) کی وضاحت نہیں فرمائی بلکہ مطلق ذکر فرمایا کہ جو چیز بھی انسان کے لیے تکلیف دہ ہو اور راستے کو خراب کردے، اسے ہٹا دینا اور مٹا دینا ایمان کا تقاضا ہے۔ آپ ایسے معاشرہ کا تصور کیجئے جس کے راستے کی صفائی اور رکاوٹوں کو دور کرنے میں سارے لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہوں۔ سرکاری مشنری سے پہلے ہی اقدامات ہونے لگے، تو اس معاشرے کی صورت حال کس قدر بہتر ہوگی۔
ایک حدیث میں آپؐ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا ’’جس کو اللہ نے راستے کی تکلیف دہ چیز ہٹانے کی وجہ سے جنت میں داخل فرما دیا۔‘‘ ایک شخص کا گزر ہوا راستہ پر ایک درخت کی شاخ ملی۔ اس نے سوچا: بخدا میں اس کو مسلمانوں کی تکلیف کے اندیشہ سے ضرور ایک کنارے کروں گا، پس اللہ نے اسے جنت میں داخل کردیا۔(۳)

---

(۱) بخاری: ۲۳۲۰ (۲) مسلم: ۳۵ (۳) بخاری: ۲۴۷۲، مسلم: ۱۹۱۴

رسول اور نظافت

ہم دنیا او یورپ کی صفائی وستھرائیکے سلسلے میں پانچویں صدی عیسوی کی صورت حال کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ بیسوی صدی کے آغاز میں صفائی وستھرائی کا کیا معیار تھا، اس کا تذکرہ یورپی مصنف کے حوالے سے کر رہے ہیں۔

ہنگری کے مصنف ساندور مارائے (Sandor-marai)(1989-1900) جو ناول نگار، مصنف اور شاعر تھے، وہ اپنی کتاب ''اعترافات برجوازی'' میں لکھتے ہیں:

''مال داروں کی قیام گاہوں اور محلات میں غسل خانے وطہارت خانے صرف سجاوٹ کے لیے ہوتے اور بیشتر مال داروں وخوش حال لوگوں کو پانی کی یاد صرف تہواروں کے موقع پر آتی تھی، بلکہ وہ لوگ تو کبھی سال میں ایک بار غسل کرتے۔ یہ تو طے ہے کہ اہل یورپ کے بدن سے آنے والی بونا قابل برداشت ہوتی تھی۔''

ساندور مارائے دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''یورپی سرمایہ دار طبقے کے لوگ انیسویں صدی کے آخر تک جب بیمار ہوتے تب غسل کرتے یا اپنی شادی کے موقع پر غسل کرتے تھے۔''(۱)

اس مختصر جائزے میں یورپ کے معاشرتی نظام کے تمام گوشوں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ مصنف نے صرف خوش حال ومال دار طبقے کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ طبقے نظافت کے ساز وسامان کی دست یابی پر قدرت رکھتے تھے اس کے باوجود ان کی یہ صورت حال تھی تو پس ماندہ

(۱) اعترافات برجوازی

طبقات جن کو نظافت کے ذرائع میسر نہ تھے ان کی صورت حال کس قدر بدتر رہی ہوگی؟

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے پانچویں صدی میں زندگی گزاری تو انھوں نے معاشرہ میں نظافت وصفائی کے اصولوں کی کیسی مضبوط بنیادیں رکھیں اور کیا احکامات جاری کیے۔ کن تعلیمات کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اور وہ تعلیمات دین کا حصہ قرار پائیں۔

قرآن کریم میں صفائی کے اشارے

داخلی وخارجی نظافتوں کے اہتمام کے بارے میں قرآن کریم میں کئی اشارے اور آیات ہیں اور لباس کی صفائی کے بارے میں صاف صاف حکم آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ (۱)

''اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔''

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو لباس کی صفائی کی تلقین فرمائی ہے، کیوں کہ اللہ پاکی کو پسند فرماتا ہے۔ مسجد قبا کے افراد کی بعض خوبیوں کی بنا پر ان کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ ان کے جسم، ان کے لباس اور ان کی روحیں پاک تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝۱۰۸ (۲)

''تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں عبادت کے لیے کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔''

جب بیوی ماہواری کے دور سے گزر رہی ہو تو جب تک پاک نہ ہوجائے اس وقت

(۱) المدثر: ۴ (۲) التوبہ: ۱۰۸

تک اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے سے قرآن کریم نے منع کیا ہے، کیوں کہ اسلام ہر چیز میں نظافت کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ (۱)

''پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو، وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔''

قرآن کریم نے ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیا۔ وضو میں چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنوں تک دھوئے جاتے ہیں۔ سر کا مسح کیا جاتا ہے تاکہ انسان اللہ کے حضور پیش ہو تو صاف ستھرا پیش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

(۱) البقرہ: ۲۲۲

تَشۡكُرُوۡنَ۝۶ (۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کے لیے اُٹھو تو چاہیے کہ اپنے مُنہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، اور پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے کام لو، بس اُس پر ہاتھ مار کر اپنے مُنہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔''

صفائی کے سلسلے میں رسول اللہؐ کی ترغیب

نظافت وطہارت کے بارے میں قرآنی اشارات جہاں موجود ہیں وہیں بہت سارے معاملوں میں رسول اللہؐ نے ان اشارات کو مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے۔

(۱) وضو

وضو نماز سے پہلے ضروری ہے۔ عرب قبائل جو کہ صفائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، وضو کے اس حکم نے ان کے یہاں موجودہ صفائی کے تصور میں ایک بڑا انقلاب برپا کر دیا۔ صفائی کے معاملے میں ان کا حال بھی وہی تھا جو پانچویں صدی عیسوی کے دوران دنیا کے تمام گوشوں کا تھا۔ دن رات میں مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اس لیے پانچ بار ہر دن وضو کرنے پر مسلمان مجبور ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان پورے دن صاف ستھرا رہتا ہے اور اس کے جسم اور کھلے حصے پر فضائی آلودگی اور گرد

(۱) المائدہ:۶

وغبار کی جو تہہ جم جاتی ہے وہ صاف ہوتی رہتی ہے۔
وضو کی اہمیت کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

مَن تَوَضَّأَ فأَحسَنَ الوُضُوءَ خَرَجَتْ خَطَایَاہُ مِن جَسَدِہٖ حتّٰی تَخْرُجَ مِن تَحْتِ أَظْفَارِہٖ (۱)

''جس نے وضو کیا اور سلیقے سے کیا تو گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں حتّٰی کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔''

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے:

استقیموا ولن تحصوا علموا ان خیر اعمالکم الصلاۃُ ولا یحافظُ علی الوضوءِ إلّا مؤمنٌ (۲)

''ثابت قدم رہو۔ اور تم تمام بھلائیوں کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن یہ جان رکھو کہ تمھارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے، اور وضو کی پابندی تو مؤمن ہی کرتا ہے''۔

وضو کی حکمتیں

وضو کی حکمتوں اور اس کے سائنسی فائدوں کے بارے میں قرآن وسنت میں سائنسی اعجاز کے محقق عبدالدائم کحیل لکھتے ہیں: ''وضو کے طبی فوائد کے بارے میں سائنسی تحقیق نے کیا انکشافات کیے ہیں؟

(۱) **کلّی:** انسان کے منہ کے ہر حصے میں، زبان پر، دانتوں پر لعاب کی صورت میں جو جراثیم ہوتے ہیں کلّی کرنے سے صاف ہو جاتے ہیں۔

کلّی کرنے کے لیے منہ کے اندر پانی داخل کرنے سے مسوڑھوں کی بیماریوں، انفیکشن اور دانتوں کے سڑنے سے تحفظ ہوتا ہے، منہ اور چہرے کے پٹھوں کو مضبوطی حاصل ہوتی

(۱) مسلم: ۲۴۵ (۲) ابن ماجہ، البانی نے صحیح کہا

ہے اور سانس کی نالی کے انفیکشن سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۲) **ناک میں پانی ڈالنا:** ناک کا دھونا اور پانی ڈالنا ناک میں پائے جانے والے جراثیم کو زائل کرتا ہے۔ اس لیے جو وضو کا پابند ہوتا ہے اس کی ناک ہر طرح کے جراثیم سے صاف رہتی ہے۔ اس عمل سے ناک مختلف بیماریوں سے اور نظام تنفس میں جراثیم داخل ہونے سے بچے رہتے ہیں۔

(۳) **چہرہ دھونا:** چہرہ دھونے سے چہرے کی جلد میں تازگی اور رونق پیدا ہوتی ہے اور چہرہ جراثیم وگرد وغبار سے پاک ہو جاتا ہے۔

چہرہ کی بہترین دھلائی آنکھوں کو گرد اور جراثیم سے نجات دلاتی ہے اور ہر طرح کی سوزش اور انفیکشن سے بچاتی ہے۔ چہرے اور ہاتھوں کا دھونا جلد پر پسینہ کے اثرات کو دور کرتا ہے اور جلد کے سوراخوں کو کھولتا ہے تاکہ جلد اچھی طرح صاف ہو اسکے۔ اس کے علاوہ جلد کی رطوبتوں کی وجہ سے ہاتھوں اور چہرے کی جلد پر جمع ہونے والی رطوبت اور چکنائی دور ہو جاتی ہے، جس کے اثرات جسمانی صحت پر مثبت انداز میں ظاہر ہوتے ہیں۔

(۴) **پیر کو دھونا:** دونوں قدموں کو رگڑ کے دھونا اس جگہ کی جلد کو قدموں کے فنگس اور کئی جلدی بیماریوں سے بچاتا ہے۔

بے شک چہرے، دونوں ہاتھوں اور پیروں کا دھونا اور رگڑنا جلد کے نیچے پائی جانے والی نسوں میں خون کے بہاؤ کو بہتر کرتا ہے، جس کا نفسیات پر اچھا اثر پڑتا ہے اور مؤمن کے سکون واطمینان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ وضو کے ذریعہ بے شمار نفسیاتی وانفعالی کیفیات سے نجات پاتا ہے۔

جلد کے اوپری حصے پر چکنائی کے رساؤ کا ایک مستقل عمل جاری رہتا ہے۔ یہ چکنائی ہوا میں موجود بیکٹیریا کو چپکا لیتی ہے، جس سے بیکٹیریا ناقابل تصور حد تک تیزی سے پھیلنے لگتے ہیں۔ پابندی کے ساتھ وضو کا اہتمام ایک موثر طبّی طریقہ ہے جو ان جراثیم کو

تباہ کر کے انسان کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ جس کے دونوں اطراف میں ہاتھ اور پاؤں وہ اعضا ہیں جہاں خون کا دورانیہ کم ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ پیر وغیرہ خون کی سپلائی کے مرکز، یعنی دل سے دور ہیں۔ تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہاتھ پیر کو دھونا اور اچھی طرح رگڑنا خون کے دورانیہ کو بڑھاتا ہے اور جسم کی دفاعی قوت اور پھرتی میں اضافہ کرتا ہے۔

اسی طرح ایک نئی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ وضو کے دوران انسان کا پانی استعمال کرنا بے چینی اور کھینچاؤ کو دور کرتا ہے، اسی لیے مؤمن وضو کے دوران طمانیت محسوس کرتا ہے۔ یہ ہیں وضو کی حکمتیں۔(۱)

(۲) غسل

جسم انسانی کی صفائی کی ایک صورت غسل ہے۔ رسول اللہؐ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ غسل کی دو قسمیں ہیں: واجب اور مستحب۔ واجب غسل اسے کہتے ہیں جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور مستحب غسل اسے کہتے ہیں جس کے بغیر نماز تو درست ہو جاتی ہے، لیکن اس سے طہارت و نظافت میں اضافہ ہوتا ہے۔

غسل واجب: غسل واجب کی بھی کئی قسمیں ہیں: غسل جنابت، غسل حیض، غسل نفاس اور غسل میت وغیرہ۔

(۱) **غسل جنابت:** جنسی تعلق کے دوران بیوی و شوہر کی منی خارج ہونے کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ؕ (۲)

''اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔''

(۲) **غسل حیض:** جب حیض کا دورانیہ مکمل ہو جائے تو عورت پر غسل واجب ہے تا کہ وہ خراب خون کے نکلنے کے بعد پاکی و صفائی حاصل کر لے۔ قرآن میں آیا ہے:

(۱) کحیل عبدالدائم/ www.kaheel7.com/ar/ (۲) المائدہ:۶

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ لا وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ج (١)

''پوچھتے ہیں، حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو، وہ ایک گندگی کی حالت ہے۔
اس میں عورتوں سے الگ رہو اوران کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ
وہ پاک صاف نہ ہوجائیں۔''

(۳) **غسل نفاس:** بچے کو جنم دینے کے بعد کچھ عرصہ آنے والے خون کو نفاس کہتے ہیں، جس کا دورانیہ چالیس دن تک ہوسکتا ہے۔اس دوران خون برابر نکلتا ہے۔جب بند ہوجاتا ہے تو غسل واجب ہوتا ہے اس کے بعد ہی عورت نماز پڑھ سکتی ہے۔

(۴) **غسل میت:** مردے کو غسل دینا ضروری ہے۔

(۲) **غسل مستحب:** مستحب کی انجام دہی بہتر ہے، نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے۔مستحب کی کئی قسمیں ہیں، چند یہ ہیں:

(۱) **غسل جمعہ:** جمعہ کی نماز کی تیاری کے لیے غسل مستحب ہے۔

(۲) **غسل احرام:** حج یا عمرہ شروع کرنے سے پہلے غسل احرام مستحب ہے۔

(۳) **غسل عیدین:** عیدین کی نماز سے پہلے غسل مستحب ہے۔

(۳) برتنوں کو ڈھانکنا

چودہ سو سال پہلے جب جراثیم اور وائرس کی دریافت بھی نہیں ہوئی تھی، رسول اللہؐ کھانے اور پینے کے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم دے رہے ہیں، تاکہ گرد وغبار اور پتنگوں سے محفوظ رہیں۔ جراثیم کی آلودگی اور وبائی بیماریوں کے پھیلنے سے حفاظت ہو۔واضح رہے کہ اس وقت میڈیکل سائنس کی بنیادی احتیاطی تدابیر میں ان ہدایات کا شمار ہوتا ہے۔

ابوحمید ساعدیؓ نے روایت کیا کہ ''میں مقام نقیع سے ایک پیالہ دودھ کھلا ہوا لے کر نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضورؐ نے فرمایا: اسے ڈھک کر کیوں نہ لائے۔ایک

(۱) البقرہ:۲۲۲

لکڑی ہی اس پر رکھ لیتے۔‘‘

ابو حمید کہتے ہیں کہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ رات میں مشک باندھ دی جائے۔ دروازے بند کردیے جائیں۔(۱) اور دوسری حدیث میں ہے کہ برتنوں کو ڈھک دو، مشک باندھ دو۔(۲) یہ ایک عمومی رہنمائی ہے کہ ہر وہ برتن جس میں کھانے کی چیز رکھی جائے ڈھک دیا جائے تاکہ بیماریوں کے پھیلنے سے حفاظت ہو سکے۔

(۴) چھینک کے وقت منہ ڈھکنا

بہت سی بیماریاں چھینک سے نکلنے والی بوندوں کے ذریعہ پھیلتی ہیں، اس لیے آپؐ نے چھینک کے ذریعہ بیماریاں پھیلانے سے سختی سے منع کیا ہے اور چھینک کے دوران چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ’’جب رسول اللہؐ چھینکتے تو ہاتھ یا رومال سے چہرے کو ڈھانپ لیتے اور اس کے ذریعے سے آواز پست کر دیتے۔‘‘(۳)

(۵) قرنطینہ

وبائی امراض پھیلنے کے وقت چند اہم طبی و حفاظتی طریقے:

(۱) وبائی امراض کے علاقے میں جانے سے پرہیز۔

(۲) وبائی امراض کے علاقے سے نکلنے سے پرہیز۔

(۳) جو لوگ بیماری سے محفوظ ہیں ان سے نہ ملنا۔

(۴) آنے والوں سے نہ ملنا۔

یہ ہدایات رسول اللہؐ کی تعلیمات میں چودہ سو سال پہلے سے موجود ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ’’جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون آیا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جس علاقے میں تم ہو وہاں آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔‘‘(۴)

وبائی امراض کے شکار علاقے سے نکلنے سے بڑی شدت سے منع فرمایا اور نکلنے

(۱) مسلم: ۲۰۱۰ (۲) بخاری: ۳۳۱۴ (۳) ترمذی: ۲۷۴۵، البانی نے صحیح کہا (۴) بخاری: ۵۷۲۸

والے کو دشمن کے ساتھ جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے والے بھگوڑے کی مانند قرار دیا ہے۔فرمایا ’’طاعون ایک گلٹی ہے اونٹ کی گلٹی کی طرح ہے، ٹھہرنے والا شہید کی طرح ہے اور بھاگنے والا پیٹھ پھیر کر جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے۔‘‘(۱)

امریکہ کے نیویارک میگزین نے 17 مارچ 2020 کو کورونا کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں ان احادیث کا تذکرہ کیا گیا ہے جو قرنطینہ اور وبائی بیماریوں سے بچنے کے سلسلے میں آئی ہیں۔مضمون نگار کریگ کونسیڈ ین ہیں، جو رائس یونیورسٹی کے شعبۂ سماجیات کے محقق اور پروفیسر ہیں۔یہ رپورٹ میگزین کی ویب سائٹ پر شائع کی گئی ہے جس کا عنوان تھا: ’’کیا صرف دعا و نماز کی طاقت وبائی بیماری کو روک سکتی ہے‘‘؟ یہاں تک کہ محمدؐ کی رائے بھی مختلف تھی۔ڈاکٹر رائس نے کہا کہ قوت مدافعت کے ماہرین جیسے ڈاکٹر انتھونی موئسی اور سنجے گپتا میڈیکل رپورٹرز کا کہنا ہے کہ بہتر نوعیت کی ذاتی طہارت و صفائی اور قرنطینہ کووڈ ۱۹ پر قابو پانے کے بہترین طریقے ہیں۔

مضمون نگار آگے لکھتے ہیں: کیا آپ جانتے ہیں کہ وبائی امراض کے دوران قرنطینہ اور شخصی صفائی کی تجویز کس نے پیش کی؟ وہ شخصیت چودہ سو سال قبل تشریف لانے والے اسلام کے نبی محمدؐ ہیں۔جس وقت وبائی مہلک بیماریوں کے بارے میں معمولی شد بد رکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا اس وقت رسول اللہؐ نے کووڈ ۱۹ جیسی وبائی بیماریوں کے مقابلے اور بچنے کے مشورے دیے۔کونسیڈ ین نے رسول اللہؐ کی وہ حدیث نقل کی جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جب سنو کہ کسی علاقے میں طاعون آیا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں طاعون آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔

اسی طرح رسول اللہؐ نے بتایا کہ متعدی بیماریوں کے شکار تندرستوں سے دور رکھے جائیں۔(۲)

(۱)مسند احمد، صحیح الجامع: ۳۹۴۸، البانی نے صحیح کہا

(۲)۱۷/۰۳/۲۰۲۰ Graig Considine, News Week

(۶) قوانین فطرت

قوانین فطرت سے مراد جسم کی صفائی ستھرائی کے سلسلے میں وہ تعلیمات نبوی ہیں جو پانچ امور پر مشتمل ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پانچ چیزیں انسان کی فطرت میں سے ہے: ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھیں کاٹنا۔ (۱) دوسری روایت میں ہے: دس چیزیں انسانی فطرت کا حصہ ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی رکھنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کے بال مونڈنا اور پانی سے استنجا کرنا۔ راوی کہتے ہیں دسویں چیز بھول گیا، لیکن ہو نہ ہو وہ کلی کرنا ہے۔ (۲)

یہاں ہم صحت سے متعلق ان اسباب کو واضح کریں گے جو مذکور بالا تعلیمات نبوی میں پائے جاتے ہیں:

(۱) **مونچھیں کاٹنا:** رسول اللہؐ نے مونچھوں کے بارے میں فرمایا: قص الشارب ''مونچھیں کاٹنا'' اور فرمایا: أحفُوا الشَّوارِبَ ''مونچھیں خوب کترو۔'' اور فرمایا جزُّوا الشَّوارِبَ ''مونچھیں اس طرح کاٹو کہ کھال نظر آئے''۔

عربی الفاظ حف، جز اور قص کے معانی ملتے جلتے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ مونچھیں اس قدر تراشیں اور پست کریں کہ اوپر ہونٹ سے نہ بڑھیں اور نہ بالکل مونڈ دیں، بلکہ اتنی تو ہوں کہ دیکھ کر لگے کہ مونچھیں موجود ہیں۔

مونچھوں کے کاٹنے میں صحت کا جو نمایاں فائدہ ہے اس کا انکشاف سائنسی تحقیقات نے کیا ہے کہ منہ کھلنے کی جگہ لمبی مونچھوں سے گھری رہتی ہے۔ جس کے بالوں سے جراثیم اور باریک پیدا ہونے والے زندہ جرثومے کی بڑی تعداد چپکی رہتی ہے۔ پھر جراثیم کی یہ دنیا کھانے پینے کے ذرّوں کے ساتھ منہ میں جاتی رہتی ہے اور مونچھوں کے تانے بانے میں ڈیرا ڈالے رہتی ہے جو زندہ جراثیم کی افزائش کے لیے سازگار ماحول ہوتا ہے، جس سے

(۱) بخاری: ۵۸۸۷، مسلم: ۲۵۷ (۲) مسلم: ۲۶۱

سوزش کی بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔(۱)

(۲) دانتوں کی صفائی: رسول اللہؐ نے مسواک کرنے کا حکم دیا جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پیلو کے درخت کی لکڑی سے دانت صاف کیے جاتے ہیں۔ (Salvadoria Persica) مسواک پیلو کے درخت کی جڑوں یا ٹہنیوں سے تیار کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد نزار کہتے ہیں:

> ''دسیوں جدید تحقیقات کے نتائج انسانی صحت کے لیے مسواک کے بڑے فائدے ثابت کرتے ہیں۔ دانتوں اور مسوڑھوں کو صاف کرنے میں اس کا بڑا کردار ہے۔ مسواک ایسی چیز ہے جو برش اور پیسٹ دونوں کا کام ایک ساتھ کرتی ہے اور اس کے باریک ریشے دانتوں کی صفائی کے لیے بہت موزوں ہوتے ہیں۔ مسواک کے اندر کثیر تعداد میں ایسے مواد ہوتے ہیں، جدید تحقیقات میں جن کے فوائد بیان کیے گئے ہیں، مسواک کو ٹوتھ پیسٹ میں بھی شامل کیا گیا ہے۔''(۲)

ڈاکٹر حسان شمسی رقم طراز ہیں:

> مسواک کا کثرت سے استعمال کرنا، خاص طور سے ہر نماز کے وقت دانتوں کو سڑنے سے یقینی طور پر بچاتا ہے۔ ہر وقت اس کی وجہ سے صفائی رہتی ہے اور دانتوں اور مسوڑھوں میں تیزی سے بڑھنے والے جراثیم کا خاتمہ ہوتا ہے۔''(۳)

(۳) ختنہ: مرد کے آلہ تناسل کی ٹوپی کو ڈھانپنے والی کھال کو کاٹ دینے کے عمل کو ختنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے اس کا حکم دیا ہے۔ میڈیکل سائنس نے جسمانی صحت کے

---

(۱) Clinical Bacteriology page-80 (۲) نزار محمد، روائع الطب الاسلامی، صفحہ:۸۱

(۳) صوموا تصحوا، ص:۶۸

لیے ختنہ کے مختلف فائدوں کا انکشاف کیا ہے۔ ختنہ نہ ہونے کی صورت میں آلۂ تناسل کی ٹوپی پر کھال رہتی ہے جس میں گندگی جمع ہوتی رہتی ہے اور بیکٹیریا اور فنگس کی افزائش ہوتی رہتی ہے، جو جنسی بیماریوں کی وجہ بن جاتی ہیں۔ ختنہ کا عمل آلۂ تناسل کو کینسر سے بچانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

''مایو کلینک کی گائیڈ لائن'' میں مردوں کے ختنہ کی فصل کے تحت ختنے کے اہم فوائد کا تذکرہ ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ذاتی صفائی میں آسانی ہوتی ہے۔ ختنہ ہونے کی وجہ سے آلۂ تناسل کو دھونا آسان ہوجاتا ہے۔

(۲) پیشاب کی نالی میں انفیکشن کے خطرات کم ہوجاتے ہیں، جب کہ زندگی کے ابتدائی حصہ میں پیشاب کی نالی کا انفیکشن بعد میں گردے کے مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

(۳) جنسی طور پر منتقل ہونے والے انفیکشن کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔

(۴) آلۂ تناسل اور اس کے سرے اور ٹوپی کی سوزش ودیگر بیماریوں سے تحفظ ہوجاتا ہے۔

(۵) آلۂ تناسل کے کینسر کے امکانات بھی کم ہوجاتے ہیں۔(۱)

(۴) **ناخن تراشنا:** سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ناخنوں کا نہ تراشنا اور بڑھانا ناخنوں کے نیچے میل اور جراثیم کے جمع ہونے کا ذریعہ بنتا ہے، جس کے نتیجے میں بدبو اور انفیکشن پیدا ہوتا ہے۔ پھر ناخنوں کے نیچے جمع شدہ جراثیم پنپنے لگتے ہیں اور ان کے لیے مناسب جگہ ہونے کی وجہ سے یہ جراثیم بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں اور کھانے کے دوران پورے انسانی جسم میں سرایت کرجاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ؐ نے ناخن بڑھانے سے منع فرمایا ہے۔ یہ آلودگی، زہر رسانی اور امراض کی فراوانی کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۵) **زیر ناف کی صفائی:** زیر ناف کے بال مونڈنا، مرد وعورت کے آلۂ تناسل کے اوپر

(۱) Mayoclinic.org/ar/tests- procedures/circumcision/about/pac

اگنے والے بال کو صاف کرنے کا عمل استحداد یا حلق العانہ کہلاتا ہے۔ فارس علوان کہتے ہیں: ''علم تشریح الاعضا کے ذریعہ پتہ چلتا ہے عانہ، پیڑو (فرج کے اردگرد بال) پیشاب و پاخانہ کے راستوں سے نکلنے والی نجاستوں سے ملا ہوا حصہ ہے اور اس پر اگنے والے بال انسانی پیشاب وفضلے سے بہ آسانی ملوث ہوجاتے ہیں اور اس جگہ پسینہ بھی بہت ہوتا ہے اور رطوبتیں بھی بہت ہوتی ہیں۔'' (۱)

---

(۱) وفی الصلاۃ صحۃ ووقایۃ، ص: ۷۸

رسول اور آزادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اور جو دین اللہ کی طرف سے آپ لے کر آئے، اس کی بنیاد آزادیوں پر قائم ہے، اس لیے کہ آزادی کامیاب حکم رانی کی بنیاد ہے۔ آزادی غلامی کی ضد ہے اور آزاد غلام کے بالمقابل ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم رسول اللہؐ نے دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

''آزادی'' یہ ہے کہ انسان کو اپنے ارادے سے جس میدان میں اور جس شکل میں چاہے اس کو کرنے کی اجازت ہو۔ قرآن میں آزاد اور غلام کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ط الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى ط (۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو آزاد سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔''

رسول اللہؐ کے بعد خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک زرّیں قول ہے: متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارًا (۱) ''تم نے کب سے لوگوں کو

(۱) البقرہ: ۱۷۸ (۲) العیسوی حسام / الحریة فی المفهوم الإسلامی / موقع صید الفوائد

غلام بنا لیا جب کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا ہے۔‘‘

بندگی صرف اللہ کی ہے۔ کسی بھی مخلوق کے آگے جھکنے اور اس کی بندگی و غلامی سے نکلنا اصل آزادی ہے۔ اسی آزادی کا پیغام سارے عالم کو رحمت عالمؐ نے دیا اور اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اسی کو پختہ کیا۔ یہی ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حکم سے لے کر آئے تھے۔ رسول اللہؐ نے جن گوناگوں آزادیوں کی خوش خبری دی ہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) عقیدے کی آزادی

قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے عقیدے کی آزادی کے سلسلے میں رہ نمائی ملتی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ (۱)

’’دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ جس کا سہارا اس نے لیا ہے، سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘

اس آزادی کا مقصد یہ ہے کہ کسی یہودی، عیسائی یا کسی دین کے شیدائی کو اس کا دین چھوڑنے اور اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جب رسول اللہؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے وہاں آباد یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو ان کے عقیدے پر رہنے دیا۔ اسی طرح ان کی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) البقرہ:۲۵۶

سپہ سالاروں کو بھی اسی کی تاکید فرماتے تھے۔ خلفائے راشدین بھی اسی روش پر قائم رہے۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔

(۲) سیاسی و فکری آزادی

رسول اللہؐ نے مدینہ منورہ کی سوسائٹی میں اپنے مخالفین یعنی مشرکین اور یہودیوں کو سیاسی و فکری آزادی کی ضمانت دی اور دین اسلام کے خلاف رائے رکھنے پر بھی کسی کی باز پرس نہ کی، حتیٰ کہ مخالفوں نے اللہ کو فقیر و محتاج تک کہا۔ قرآن میں آیا ہے:

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ (۱)

''اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔''

کسی نے مسلمانوں کے فقر و فاقہ دور کرنے سے عاجز و درماندہ اور بخیل ہونے کا اللہ پر الزام لگایا، جس کا تذکرہ قرآن میں ہے:

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ (۲)

''یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

بعض معاندین نے کفار قریش کے مذہب اور بت پرستی کو مسلمانوں اور اسلام سے بہتر کہا۔ قرآن نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ﴿۵۱﴾ (۳)

''کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصّہ دیا گیا ہے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جِبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے

(۱) آل عمران: ۱۸۱ (۲) المائدہ: ۶۴ (۳) النساء: ۵۱

تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح انداز میں بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اس سیاسی وفکری آزادی کا استعمال مذہبی فتنہ برپا کرنے اور مدینہ کے دو بڑے قبیلوں، اوس وخزرج کو ایک جٹ ہوکر نبی اکرمؐ کے مقابلے پر آمادہ کرنے کے لیے استعمال کیا اور آپؐ کے خلاف جنگ کی آگ لگائی۔ قرآن میں ہے:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ (۱)

’’جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اُس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کررہے ہیں، مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔‘‘

اس کے علاوہ بھی نبیؐ کے خلاف سیاسی وفکری اختلافات کے نمونے موجود ہیں جن کا تذکرہ قرآن کریم نے بھی کیا ہے۔ اس کے باوجود محمدؐ نے مخالفین کی سرگرمیوں پر قدغن نہیں لگائی اور ان کی کارروائیوں، باتوں اور زہر آلود جملوں کو سیاسی وفکری اور بقائے باہم کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے آزادیٔ رائے کے خانے میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اس کے رسولؐ نے صرف اس بات پر اکتفا کیا کہ مخالفین کی کذب بیانی اور ان کے غلط دعووں کی پول کھول دی اور ان کے مکروفریب کی تردید امن پسندانہ ذرائع سے کی اور دلیل وحجت کی زبان سے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ (۲)

سیاسی وفکری آزادی صرف اہل کتاب کو حاصل نہیں تھی بلکہ مدینہ منورہ کے حقیقی باشندوں، یعنی قبیلۂ اوس وخزرج کو بھی حاصل تھی۔ جن کی بڑی تعداد شرک پر قائم تھی اور ان میں سے کچھ لوگوں نے منافقوں کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ان لوگوں نے خود کو مسلمان ظاہر کیا اور سینے میں کفر چھپائے رکھا۔ دیگر تمام مذہبی گروہوں کے مقابلے میں منافقین کا یہ طبقہ

(۱) المائدہ: ۶۴ (۲) عزیز احمد، حقائق تاریخیۃ عن حکم محمدؐ، ۷، ۱۳

مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھے۔ ان کو بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رائے اور سیاسی اختلاف کی آزادی دی۔

اس فکری و سیاسی اختلاف کی نمایاں ترین مثال منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کے کردار میں ملتی ہے۔ رسول اللہؐ کا ایک ایسی مجلس پر گزر ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا۔ حضورؐ رکے، شرکائے مجلس کو سلام کیا، اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔ یہ سب دیکھ اور سن کر وہ بول پڑا: سنیے جناب! آپ جس کی دعوت دیتے ہیں اور جو کہتے ہیں اگر وہ سچ بھی ہے تو آپ کا طریقہ اچھا نہیں ہے۔ آپ ہماری مجلس میں آکر ہم کو اذیت نہ دیں، اپنی قیام گاہ پر لوٹ جایئے وہاں آپ کے پاس جو جائے اسے سنایئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے زوردار آواز لگائی: کیوں نہیں؟ اللہ کے رسول آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لائیں، ہم دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔ پھر تو مسلمان، مشرک اور یہودی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور قریب تھا کہ لڑ پڑیں۔ رسول اللہؐ پرسکون رہنے کی تلقین کرتے رہے تو لوگ چپ ہوئے۔ اس کے بعد حضورؐ اپنی سواری پر سوار ہوئے (۱) اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ لیکن جن لوگوں نے آپؐ کی اہانت و تکذیب اور مذاق اڑانے کا عظیم جرم کیا ان کے خلاف گرفتاری کا حکم جاری نہیں کیا، جب کہ آپؐ مدینہ کے حاکم تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس حد تک فکری آزادی پر یقین رکھتے تھے جب تک اختلافات فکری و سیاسی حدود میں رہیں اور حکومت کے خلاف بغاوت یا جنگ کی حد تک نہ پہنچیں۔ جب نوبت بغاوت تک پہنچ جائے اور فتنہ کی سرکوبی ضروری ہو جائے تو پھر کارروائی ضروری ہے اور ہتھیار اٹھانے والوں کی تادیبی کارروائی لازمی ہے، جیسا کہ آپؐ نے کچھ عرصہ بعد اس جانب قدم اٹھایا۔

منافقوں اور مشرکوں کی طرف سے اس طرح کا برتاؤ رسول اللہؐ کے ساتھ بار بار کیا جاتا رہا، لیکن رسول اللہؐ نے کسی کے خلاف کارروائی نہیں کی بلکہ انھیں اعتراض و اختلاف کی

---

(۱) بخاری: ۴۵۶۶

کھلی آزادی دی جب تک وہ لوگ مسلح تشدد پر نہ اتر آئے۔

سیاسی شرکت کی آزادی

اسلام ملکی نظام میں آمریت کا قائل نہیں ہے بلکہ حضورؐ کی ہدایات میں جو اہم بات ہمیں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی امور میں ہر فریق کی شرکت ہو۔ آپؐ ملکی مسائل میں کوئی حکم یا رائے انفرادی طور پر پیش نہ فرماتے بلکہ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرماتے، جیسا کہ اس بارے میں قرآن کریم کا حکم ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴿٣٨﴾ (۱)

''اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔''

اتنا ہی نہیں، بلکہ شوریٰ نام کی ایک مکمل سورہ قرآن میں موجود ہے، جو یہ بتاتی ہے کہ اسلام میں شوریٰ کے اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اور حکم رانی کے بارے میں رسول اللہؐ اسلام کے اسی بنیادی اصول پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ کیوں کہ آپؐ کو انفرادی طور پر فیصلہ لینے سے یہ کہہ کر روکا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۲)

''اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔''

یعنی اللہ کے رسولؐ نے جس نظام شوریٰ پر اعتماد و انحصار کیا تھا وہ اہل حل وعقد پر مشتمل ایک گروہ کو تشکیل دینے سے وجود میں آتا ہے، جس میں معاشرہ کے منتخب افراد شامل ہوتے ہیں۔ عقل وفہم، علم وتجربہ، امانت ودیانت، باخبری ومہارت جیسے اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ جنگ وحرب، سیاسی ومعاشرتی مشکلات اور اہم ملکی معاملات کے لیے راہ عمل طے کرنے کے لیے حضورؐ (جن کے سلسلے میں قرآن کا کوئی حکم نہ ہوتا) اہل شوریٰ سے مشورہ کرتے تھے۔

(۱) الشوریٰ: ۳۸ (۲) آل عمران: ۱۰۹

مختلف جنگوں یا معاشرتی مشکلات کے حل کے لیے آپؐ نے کئی بار اجتماعی معاملات میں مشورہ کیا جس کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

(۱) **غزوۂ بدر:** مدینہ منورہ آنے کے بعد مکہ مکرمہ کے قریش کے کافروں سے سب سے پہلی جنگ غزوۂ بدر ہونے جا رہی تھی۔ جب حضورؐ کو پتہ چلا کہ قریش جنگ کے لیے نکل پڑے ہیں، اس وقت رسول اللہؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضورؐ کے سب سے قریبی حضرت ابوبکرؓ نے رائے پیش کی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت مقدادؓ نے بھی بات رکھی۔ یہ تینوں لوگ مکہ کے باشندے تھے اور مہاجر ہو کر آپؐ کے ساتھ آئے تھے، لیکن آپؐ مدینہ کے جو لوگ تھے، ان کی رائے سننا چاہ رہے تھے۔ اس لیے بار بار فرما رہے تھے: اے لوگو! مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگوں کو احساس ہو گیا کہ حضورؐ ان لوگوں کی رائے جاننا چاہتے ہیں، اس لیے اہل مدینہ کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے گفتگو میں حصہ لیا اور مشورہ دیا اور آپؐ کو اطمینان دلایا کہ ہم آپؐ ہمیں جہاں لے جانا چاہیں ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

(۲) **غزوۂ احد:** رسول اللہؐ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ قریش جنگ بدر میں ہار کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ جنگ کے لیے آ رہے ہیں، آپؐ نے تمام صحابہ سے مشورہ لیا۔ لوگ دو جماعت میں بٹ گئے۔ ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ مدینے سے باہر نکل کر ان سے مقابلہ کیا جائے اور یہ رائے ان لوگوں کی تھی جو معرکہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس لیے اس جنگ میں شریک ہونے اور باہر جا کر لڑنے پر اصرار کر رہے تھے۔ دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ مدینہ میں رہ کر دفاع و مقابلہ کیا جائے۔ یہ وہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے اور بعض منافقوں کی رائے بھی یہی تھی۔ رسول اللہؐ کا رجحان بھی اسی رائے کی طرف تھا۔ لیکن جب حضورؐ نے دیکھا کہ اکثریت کی رائے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کی ہے تو آپؐ نے اسی رائے کو اختیار کیا۔

(۳) **بدر کے قیدی:** معرکہ بدر میں قریش کے ستّر افراد قیدی بنائے گئے۔ حضورؐ نے

اپنے دو قریبی ساتھیوں، ابوبکرؓ وعمرؓ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے قتل کی تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے فدیہ لے کر چھوڑنے کی ہوئی۔ حضورؐ نے ابوبکرؓ کی رائے اختیار کی اور فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

(۴) **واقعہ اِفک:** واقعہ افک کی تفصیل یہ ہے کہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے لوگوں میں یہ اڑا دیا کہ اس نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو ایک شخص کے ساتھ تنہائی میں دیکھا ہے۔ یہ تہمت لگا کر وہ کیا کرنا چاہتا تھا، یہ صاف اور واضح تھا۔ یہ افترا پردازی لوگوں میں پھیل گئی۔ اس بارے میں سورۂ نور اتری۔ اللہ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ (۱)

”جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔
اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔
جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا، اور جس شخص نے
اِس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے عذابِ عظیم ہے۔“

رسول اللہؐ پر یہ گھڑیاں بڑی سخت گزر رہی تھیں، اس لیے آپؐ نے لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے خطاب فرمایا۔ اور آپؐ کی زوجۂ محترمہ کے بارے میں جو بات کہی جا رہی تھی، اس کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ”مجھے ان لوگوں کے سلسلے میں مشورہ دو جنھوں نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے۔ اللہ کی قسم، میں نے اپنے اہل خانہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ ان لوگوں نے ایک ایسے شخص پر تہمت لگائی ہے جس کے بارے میں کبھی میں نے کوئی برائی نہیں جانی۔ وہ میری موجودگی کے وقت کے علاوہ کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ میں کبھی سفر کے دوران گھر سے غیر حاضر رہا تو وہ بھی میرے ساتھ ہی رہا۔“(۱)

---

(۱) النور:۱۱

مسجد کے اندر ہی اوس وخزرج کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ ہر ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگا اور قتل کی دھمکی دینے لگا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ دونوں جماعت کے درمیان جھگڑا زیادہ ہو رہا ہے تو آپؐ نے مداخلت کی۔ پھر سب کو خاموش کیا اور چلے آئے۔

رسول اللہؐ کی زندگی میں سخت معاشرتی مسائل درپیش آتے تو آپؐ تمام مسلمانوں سے عام مشورہ کرتے۔ بعض مشورے رسول اللہؐ صرف ماہرین سے فرماتے تھے، عام لوگوں سے نہیں۔ یا اگر کسی معاملہ میں فوری کارروائی کی ضرورت ہوتی تو خصوصی مشورہ فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر:

(۱) بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپؐ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا۔

(۲) اوس کے سردار سعد بن معاذؓ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ سے مدینہ کی کھجوروں کے بارے میں مشورہ کیا۔

(۳) فوج کے سربراہان سے اس وقت مشورہ کیا جب فتح مکہ کے لیے روانہ ہوتے وقت بعض لوگوں کے بارے میں خیانت کی شکایت ملی۔ اس سلسلہ میں کسی نے ملزم کے قتل کا مشورہ دیا تو کسی نے افہام وتفہیم کے بعد درگزر کرنے اور اس سے پہلے اسلام کے لیے ان کی خدمات کو، جیسا کہ حضرت حاطب بن ابوبلتعہؓ کے معاملہ میں ہوا، جنہوں نے فوجی راز مکہ بھیج دیا تھا، لیکن مکہ پیغام پہنچنے سے پہلے رسول اللہؐ کو اطلاع مل گئی۔ سب کی رائے سننے کے بعد رسول اللہؐ کی رائے آئی کہ ان کی سابقہ خدمات کو نظر میں رکھتے ہوئے انھیں معاف کر دیا جائے اور آئندہ ایسی غلطی سے بچنے کی ہدایت کر دی جائے۔

(۴) صرف ایک شخص سے مشورہ لینا اور وہ آپؐ کی اہلیہ محترمہ ام سلمہؓ ہیں۔ جب رسول اللہؐ نے مکہ کے لوگوں سے صلح (صلح حدیبیہ) کا ارادہ فرمایا اور قربانی کا حکم دیا، تو اکثر صحابہ نے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔ آپؐ غم زدہ ہو کر ام سلمہؓ کے پاس گئے اور ان سے مشورہ کیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ خود صحابہ کے سامنے قربانی کا جانور ذبح

(۱) بخاری: ۴۷۵۷

کریں اور حلق کروائیں۔ جب وہ دیکھیں گے تو آپؐ کی پیروی کریں گے۔ آپؐ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تو سب آپؐ کی اقتدا میں اپنا جانور ذبح کرنے لگے۔

شوہر کے انتخاب کی آزادی

رسول اللہؐ نے عورت کو آزادی دی ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتی ہے، اس کا انتخاب کرلے اور جس سے نہیں چاہتی اس کے انتخاب پر اسے مجبور نہ کیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا: بیوہ یا مطلقہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے پوچھ نہ لیا جائے۔ اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اس کی اجازت کی کیا شکل ہوگی۔ فرمایا: وہ خاموش رہے۔(۱)

''ایّم'' اس عورت کو کہتے ہیں جس کی شادی ایک بار ہو چکی ہو۔ ''بکر'' اس دوشیزہ کو کہتے ہیں جس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ رسول اللہؐ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی شادی ان کی اجازت کے بغیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح رسول اللہؐ نے شوہر کی طرف سے بدسلوکی یا دین مخالف حرکت کی بنیاد پر طلاق طلب کرنے کی آزادی دی ہے۔

رہائش اور حرکت و عمل کی آزادی

رسول اللہؐ نے سب کو کسی گھر کے مالک بننے اور اس میں رہائش اختیار کرنے کی آزادی دی ہے۔ کوئی کام کرنے، پیشہ اختیار کرنے کی آزادی ہے اور جو کام پسند نہ آئے اس کے کرنے پر کسی ادارہ یا شخص کے دباؤ ڈالنے یا مجبور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آزادی کی حد

رسول اللہؐ نے سب کے لیے آزادی رکھی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی کے عمل سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے اور وہ عمل شرعی تعلیمات کے مخالف نہ ہو۔

---

(۱) بخاری:۶۱۳۶ ۵

رسول اور خدمت گزار

یہاں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ بعض لوگوں کو یہ عنوان پڑھ کر غلط فہمی ہو سکتی ہے اور وہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ایسی عظیم ہستی، ایسی بڑی روحانی شخصیت جن کے زہد کا چرچا ہے، جن کی زندگی بادشاہوں اور متکبروں کی زندگی سے بالکل جدا ہے، پھر ان کے خدمت گزار کیسے ہوں گے؟ اس بارے میں سچائی یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت خاص طور سے اس دور میں زندگی کی رونقوں اور لذتوں کے لیے نوکر چاکر رکھتی ہے اور خدمت گزاروں کی بھیڑ سے معیار زندگی طے ہوتا ہے اور اسے عیش وعشرت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ ہے تو وہ اس زمانے کے نوکر چاکر کے مقصد سے بالکل الگ ہے۔ آپؐ کا اپنے لیے خادم رکھنا، آج کے زمانے میں خدمت گزار رکھنے سے کئی اعتبار سے مختلف ہے:

(۱) خدام رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ امور مملکت کے لیے وقت نکال سکیں۔ لوگوں کے کام انجام دے سکیں۔ لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کے لیے وقت فارغ کر سکیں۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کو دین کی تعلیم سے آراستہ کر سکیں جو آپؐ کے جھنڈے کو بعد میں بھی بلند رکھ سکیں۔

(۲) آپؐ کے سارے خدام اعزازی تھے، تنخواہ دار نہ تھے۔

(۳) آپؐ کے خادموں کے کام آج کل کے خادموں جیسے نہیں تھے کہ گھریلو کام کاج گھروں کے اندر انجام دیتے ہوں اور گھر کی ہمہ جہت ضرورتیں پوری کرتے ہوں

بلکہ ان کے ذمہ گھر کے باہر کے کام ہوتے اور گھر کے اندر کے سارے کام آپؐ خود انجام دیتے۔ جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک سوال کے جواب میں کہتی ہیں: رسول اللہؐ گھر کے اندر کیا کرتے تھے؟ کہنے لگیں: آپؐ ایک انسان تھے، کپڑے میں پیوند لگا لیا کرتے تھے، بکری دوہتے اور اپنے کام خود کرتے۔(۱)

رسول اللہؐ کے خدام

(۱) **انس بن مالک انصاریؓ:** جب حضورؐ مدینہ منورہ آئے تو انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کو لے کر آئیں اور لختِ جگر کو آپؐ کی خدمت کے لیے پیش کیا۔ انسؓ کہتے ہیں: مجھے میری امی رسول اللہؐ کے پاس لے کر آئیں۔ آدھی اوڑھنی کا تہہ بند اور دوسری آدھی کی چادر بنا دی اور کہا: رسول اللہؐ! یہ انس ہے میرا بیٹا، اسے میں آپؐ کی خدمت کے لیے لے کر حاضر ہوئی ہوں، اس کے لیے اللہ سے دعا کیجیے۔ رسول اللہؐ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں اضافہ فرما''۔(۱)

(۲) عبداللہ بن مسعودؓ: ان کے ذمہ تکیہ، مسواک، جوتے کا انتظام کرنا اور وضو کرانا تھا۔ ان کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا تھا۔

(۳) عقبہ بن عامرؓ: ان کے پاس آپؐ کا خچر ہوتا اور سفر میں سواری کا انتظام کرتے۔

(۴) اسلع بن شریکؓ: یہ سفر کے دوران آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔

(۵) بلال بن رباح: مؤذن تھے۔

حضورؐ کی سب سے زیادہ خدمت حضرت انس بن مالکؓ نے کی ہے۔

خادموں کے ساتھ برتاؤ

رسول اللہؐ خادموں کے ساتھ حسن اخلاق اور بہترین برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ احترام، انسانیت، محبت و بھائی چارہ کا مظاہرہ کرتے تھے۔

(۱) **مار پیٹ سے گریز:** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''رسول اللہؐ نے کبھی کسی

(۱) بخاری، الادب المفرد: ۴۲۰، البانی نے صحیح کہا (۲) مسلم: ۲۴۸۱

خادم یا خاتون کی پٹائی نہیں کی۔‘‘(۱)

(۲) **ناراضگی سے گریز:** آپؐ کے خادم انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہؐ کی خدمت کی۔ کبھی آپؐ نے ہوں تک نہیں کہا، نہ کبھی مجھ سے کسی چیز کے بارے میں جسے میں نے نہیں کیا، یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ یا میں نے کچھ کیا تو آپؐ نے یہ نہیں پوچھا کہ کیوں کیا؟(۲)

(۳) **بھائی اور خادم میں برابری:** آپؐ کا فرمان ہے: **تمھارے دست نگر تمھارے بھائی ہیں،** جس کا بھائی اس کا دست نگر ہو تو جو کھائے وہی اسے کھلائے، جو پہنے وہ اسے پہنائے، اور ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے، اگر لے تو ان کے ساتھ خود بھی لگ جائے۔(۳)

(۴) **خادموں کے ساتھ نرمی:** رسول اللہؐ نے ہر قول و فعل میں نرمی برتنے کی تاکید فرمائی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ خادم کو او میرے غلام، او میری باندی کہہ کر نہ پکارو، بلکہ بیٹا یا بھائی کہہ کر پکارو۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ وفات کے وقت رسول اللہؐ کی عام وصیت یہ تھی: نماز اور تمہارے دست نگر۔(۴)

(۵) **معاف کرنے کی ہدایت:** جس دور میں خادموں کی معمولی معمولی غلطی پر سخت گرفت ہوتی، کبھی نوبت قتل کی آجاتی، تنخواہ کاٹنے اور توہین و زیادتی کی بہتات تھی اس وقت رسول اللہؐ نے خادموں کی غلطیوں کو زیادہ سے زیادہ معاف کرنے کی تلقین کی۔ ایک صاحب آپؐ کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم خادموں کو کس قدر معاف کریں؟ حضورؐ خاموش رہے۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا: آپؐ چپ رہے۔ جب تیسری بار سوال کیا تو فرمایا: روزانہ ستر بار۔(۵)

خادموں کے ساتھ رسول اللہؐ کا برتاؤ کس طرح ہوتا اس کی چند درخشاں مثالیں پیش کی گئیں۔ خدام بھائی کی حیثیت رکھتے تھے خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔

---

(۱) ابوداؤد: ۴۷۸۶ (۲) الادب المفرد: ۲۱۱ (۳) ابوداؤد: ۴۷۸۶، البانی نے صحیح کہا
(۴) ابن ماجہ: ۲۲۰۰، البانی نے صحیح کہا (۵) ابوداؤد: ۵۱۶۴، البانی نے صحیح کہا

رسول اور تشدد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشدد کی ہر نوعیت کے مخالف تھے۔ تشدد مسلمانوں پر کیا جائے یا غیر مسلموں پر آپؐ اس کے خلاف تھے۔ اس لیے کہ آپؐ کا پیغام انصاف، امن وسلامتی اور مساوات کو فروغ دینا تھا اور پوری انسانیت میں انسانی اخلاق کی روح پھونکنی تھی۔ اللہ کی مشیئت یہی ہوئی کہ اس نے آپؐ کی رسالت کا نمایاں ترین سبب کا تعین کیا تو فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝۱۰۷ (۱)

''اے نبیؐ! ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

- آپؐ رحمت بن کر آئے تا کہ گڑھے میں گری انسانیت کو نکالیں۔
- رحمت بن کر آئے تا کہ درندگی میں تبدیل ہو جانے والی نوع بشر کو انسانی اخلاق کی دولت واپس دلا دیں۔
- رحمت بن کر آئے تا کہ جنگل راج میں تبدیل ہو جانے والی اس دنیا کو عدل دلائیں۔
- رحمت بن کر آئے تا کہ مظلوموں کو حق دلائیں۔
- رحمت بن کر آئے تا کہ لوگوں کو ظالموں سے نجات دلائیں۔
- رحمت بن کر آئے تا کہ پوری انسانیت پر امن وسلامتی کی چادر تان دیں۔

اس لیے رسول اللہؐ نے نہ کبھی اپنی طرف سے تشدد کی ابتدا کی، نہ کبھی اس راستہ کو اپنایا، نہ لوگوں کو اس پر اکسایا، نہ کبھی تشدد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضورؐ کے

---

(۱) الانبیاء: ۱۰۷

زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب دفاع میں ہوئیں، کیوں کہ دشمن آپؐ سے لڑنے کے لیے آ گئے تھے۔

زمانۂ نبوت کی جنگیں اور اس کے اسباب

دور جدید میں بڑی طاقتوں کی جنگوں کا مقصد ملکی توسیع و غلبہ، دولت لوٹنا اور بدلہ لینا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف رسول اللہؐ کی ساری جنگیں اپنے دفاع میں تھیں۔ اور ان قرآنی ہدایات کے مطابق تھیں جو محمد رسول اللہؐ پر اتریں۔

قرآن مجید کے بیان کردہ اخلاقی اصول وضوابط میں سے چند یہ ہیں:

(۱) **دفاع نفس**: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝۳۹ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ (۱)

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاق جنگ کی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اِس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا ربّ اللہ ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ستم رسیدہ، لٹے پٹے اور زمین سے بے دخل کر دیے جانے والے لوگوں کو اپنی مدافعت کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سب وہ حالات ہیں جو رسول اللہؐ کے ساتھیوں کے ساتھ پیش آئے تھے۔ ان لوگوں نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک ظلم وستم، ظلم وزیادتی، ایذارسانی، جائیدادوں پر قبضہ کر لیے جانے پر صبر کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی جس نے آپؐ کو اپنے فاع کے لیے جنگ لڑنے کی اجازت دی۔ اور دفاعی جنگ کی

(۱) الحج: ۳۹، ۴۰

اجازت دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کے باب میں بڑی اخلاقی بنیاد ہے۔دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جنگ وقتال کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کی جائے، ہاں دشمنوں کی طرف سے تشدد وزیادتی ہوتو دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ (۱)

''اورتم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جوتم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کروکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ آیت مرادربانی بیان کرنے میں بالکل واضح ہے کہ جنگ کی ابتدا اسی وقت ہوگی جب دشمن کی طرف سے پہل ہو۔ یہ آیت مسلمانوں کواس بات سے روکتی ہے کہ وہ حملہ کرنے میں پہل کریں۔

(۲) **انصاف، برابری اور ترقی:** محمد رسول اللہؐ نے اپنے تمام پیروکاروں کو صاف صاف بتا دیا کہ فتح و جنگ کا مقصد ذاتی رنجش کا انتقام، جائیداد ودولت کا حصول، ظلم وبربریت اور لاقانونیت پھیلانا ہرگز نہیں ہے۔جیسا کہ دور حاضر کی جنگوں میں یہی سب ہوتا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ دنیا پر قبضے کے وقت منگولوں نے کیا کیا اور جن ملکوں پر ہٹلر نے قبضہ کیا ان میں اس نے کیا کیا اور فرانسیسیوں اور انگریزوں نے جن مما لک کو غلام بنایا وہاں کیا کیا۔ان تمام حملہ آوروں نے ظلم ڈھایا قتل ودرندگی،لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کیا اور ظلم پھیلایا،اس کے برعکس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح وشکست کے اعلیٰ مقاصد کی طرف توجہ دلائی جو یہ ہیں:

(۱) عدل وانصاف کو عام کرنا۔

(۲) امن وامان کی فضا کو عام کرنا۔

(۳) ظلم کا خاتمہ اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی۔

(۱) البقرہ:۱۹۰

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے غلبہ کے وقت فتح و نصرت کے مقاصد کی روح کو اس فرمان میں بیان کیا:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس آیت سے چار مقاصد کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) روحانیت کی تعمیر
(۲) اقتصادی ترقی
(۳) عدل کا قیام
(۴) فتنہ و فساد کے خلاف جنگ

جنگ اور اسباب جنگ

رسول اللہؐ نے جو جنگیں لڑیں، ان پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی طرف سے ان میں سے کسی بھی جنگ میں پہل نہیں کی گئی۔

(۱) **بدر:** یہ اسلام کی پہلی جنگ ہے جو مسلمانوں اور قریش کے مشرکوں کے درمیان ہوئی۔ قریش طاقت ور فوج لے کر جنگ کے لیے نکلے۔ باوجود اس کے کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے جس کو مسلمانوں کی طرف سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ لیکن جب میر کارواں ابوسفیان نے قافلہ کے بحفاظت بچ نکلنے کی اطلاع دے دی تو پھر بھی لوگوں نے آگے بڑھ کر نبی آخر الزماں محمدؐ سے جنگ کرنے

(۱) الحج: ۴۱

پر اصرار کیا اور مدینہ منورہ کے قریب ''بدر'' نامی جگہ پر پہنچ گئے۔ چنانچہ نبیؐ بھی شہر سے ان سے لڑنے کے لیے نکل پڑے اور مکہ سے آنے والوں کا مقابلہ کیا۔

(۲) **جنگ اُحد:** بدر کے بعد جنگ احد دوسری جنگ ہے۔قریش کے کافر جمع ہوئے جنگ بدر میں بری طرح ہار کا بدلہ لینے کے لیے لشکر لے کر مدینہ میں احد کی پہاڑیوں تک پہنچ گئے۔رسول اللہؐ بھی نکلے اور ان سے جنگ کی۔

(۳) **جنگ خندق:** قریش کے ساتھ عرب کے سارے قبائل رسول اللہؐ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں گھیرنے کے لیے جمع ہوئے اور مدینہ کا گھیراؤ کرلیا۔ دفاع کے لیے اللہ کے نبیؐ بھی نکلے۔ اللہ نے تیز ہوائیں چلا دیں۔ ہواؤں نے دشمنوں کے خیمے اکھاڑ دیے۔ گھوڑے بدک گئے، دشمنوں کے خواب چکنا چور ہو گئے اور وہ الٹے پاؤں لوٹ گئے۔

(۴) **جنگ موتہ:** ہجرت کے آٹھویں سال رسول اللہؐ نے اس زمانے کے مختلف حکم رانوں کے ساتھ کسریٰ وقیصر کو پیغامات بھیجنے کا آغاز کیا اور اسلام کی دعوت دی۔ شام کے بصریٰ کے امیر کے نام بھی ایک خط ارسال فرمایا، جو قیصر کا نمائندہ تھا۔ آپؐ نے حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کے بدست مکتوب گرامی بھیجا۔ جب وہ شام کے بلقا علاقے میں پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی (قیصر کا نمائندہ) نے ان کو گرفتار کرلیا اور قتل کر دیا۔ جب رسول اللہؐ کو یہ خبر ملی تو لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا تاکہ روم سے جنگ کریں اور حارث بن عمیر کا بدلہ لیں، کیوں کہ عالمی قوانین کے مطابق سفیر و نمائندے قتل نہیں کیے جاتے۔

(۵) **جنگ تبوک:** جنگ تبوک کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ جاسوسوں کے ذریعہ رسول اللہؐ کو اطلاع ملی کہ روم و شام کی فوجوں کو قیصر ہرقل کی سربراہی میں مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار کر رہا ہے تاکہ اسلام کا صفایا کر دے۔ اس طرح آپؐ نے ان سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو تیار کیا تاکہ نئی وجود میں آنے والی حکومت کے استقلال کی حفاظت ہو سکے۔

حبشہ سے جنگ کیوں نہیں؟

یہ حقیقت کہ اللہ کے رسولؐ نے کوئی بھی جنگ اپنی طرف سے پہل کرتے ہوئے نہیں لڑی، بلکہ اپنے دفاع کے لیے لڑی۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ آپؐ نے حبشہ سے جنگ نہیں کی، جب کہ وہ آپؐ سے قریب تھا اور شرک پر بھی قائم تھا۔ آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ اس ملک کی جنگی طاقت روم اور فارس کے برابر نہیں تھی، اس کے باوجود آپؐ نے حبشہ سے جنگ نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حبشہ نے رسول اللہؐ کے خلاف محاذ آرائی نہ کی تھی بلکہ اس کے برعکس جو صحابہ حبشہ ہجرت کر کے گئے ان کے ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک، اظہار محبت اور شان دار استقبال کیا تھا۔ ان کی بہترین میزبانی کی تھی اور جب قریش نے ایک وفد کے ذریعہ مہاجر صحابہ کو حبشہ سے نکالنے کا پیغام لے کر بھیجا تھا تو نجاشی بادشاہ نے قریش کی درخواست کو مسترد کر دیا تھا۔

مسلم کی حقیقت امن وسلامتی ہے

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو خراج محبت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا ہے۔ اور یہ اپنے اندر دوسرے کے لیے انتہائی بلند جذبات سموئے ہوئے ہے۔ سلامتی و امن کی بلندیاں لیے ہوئے ہے۔ ان الفاظ کو ادا کرنے والا ملنے والے کے لیے رحمت وبرکت کی دعا کرتا ہے، چاہے اسے جانتا بھی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی بنیاد تشدد اور نفرت پر نہیں بلکہ دوسروں کے لیے محبت اور امن وسلامتی پر قائم ہے۔

تشدد کی ممانعت

مسلمان کی زندگی میں عدم تشدد کی تاکید اور اس سے ممانعت کی مختلف صورتیں موجود ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) **مسلم ومؤمن کی حقیقت:** جب تک مسلم ومؤمن کی زبان وہاتھ سے نہ صرف مسلم

وغیر مسلم بلکہ تمام انسان ہر طرح محفوظ نہیں ہوجاتے اور اس کی طرف سے ان کی جان و مال محفوظ نہیں ہوجاتی، اس وقت تک اس مسلم ومؤمن کا نہ اسلام مکمل ہوتا ہے، نہ ایمان پختہ ہوتا ہے۔(۱)

(۲) **بدترین لوگ:** تین طرح کے لوگ اللہ کی نگاہ میں بدترین لوگ ہیں۔ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی انسان کو ناحق قتل کرے۔رسول اللہؐ نے فرمایا:''اللہ کی نگاہ میں تین لوگ بدترین وناپسندیدہ ہیں۔حرم کے اندر رہتے ہوئے الحاد اختیار کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کی راہ تلاش کرنے والا اور کسی شخص کے خون کا ناحق مطالبہ کرنے والا کہ اس کا خون بہائے۔''(۲)

(۳) **ہتھیار دکھانا:** رسول اللہؐ نے اس حد تک سختی کے ساتھ تشدد کی ممانعت فرمائی ہے کہ کسی ہتھیار یا دھاردار چیز سے بطور مذاق کسی کو اشارہ کرنا بھی ممنوع قرار دیا کہ کہیں بغیر ارادے کے نقصان پہنچ جائے۔رسول اللہؐ نے فرمایا:''کوئی کسی بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیوں کہ اسے پتہ نہیں کہ شیطان اس کے ہاتھ سے نکال دے اور وہ جہنم کے گڑھے میں جاگرے۔''(۳)

دوسری حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:''جس نے اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا، فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، چاہے ہتھیار دکھانے والا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔''(۴)

(۴) **بازار وعبادت خانے میں ہتھیار لے جانا:** رسول اللہؐ نے عبادت خانے (مسجدوں) بازار اور ہجوم کی جگہ ہتھیار ساتھ لے جانے سے روکا ہے کہ کہیں لوگ اس کی زد میں نہ آجائیں اور بڑے نقصان سے دوچار ہوجائیں۔

شریعت کی ان واضح تعلیمات کی روشنی میں ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے قائم

---

(۱) نسائی:۵۰۱۰، البانی نے صحیح کہا (۲) بخاری:۶۸۸۲

(۳) بخاری:۷۰۷۲ (۴) مسلم:۲۶۱۶

کی جائے گی جو مسجدوں اور بازاروں میں دھماکہ خیز مواد نصب کرتے ہیں یا خودکش بمبار حملے کرتے ہیں اور لوگوں کو موت کے حوالے کر دیتے ہیں۔

رسول اللہؐ فرماتے ہیں: ''جب کسی کا گزر ہماری مسجد یا بازار سے ہو اور اس کے ہاتھ میں تیر ہو تو پھل پر ہاتھ رکھ لے، یا فرمایا پھل کو پکڑ لے، مبادا کہیں کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچ جائے۔''

(۵) **ڈرانے دھمکانے کی ممانعت:** ڈرانا دھمکانا، جو ہو سکتا ہے بطور مذاق ہی ہو، اس سے بھی رسول اللہؐ نے امن وامان کے تحفظ کے لیے روکا ہے اور تشدد کو بطور مذاق بھی ناپسند کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ کے ایک صحابی نے ہم سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک صاحب سو گئے۔ دوسرے صاحب رسی لے کر گئے اور سونے والے کو باندھ دیا جس سے سونے والا گھبرا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرنا روا نہیں ہے۔''(۱)

---

(۱) منذری، صحیح الترغیب: ۲۸۰۵، البانی نے صحیح کہا

رسول اور انفاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ فقیر ومحتاج تھے اور نہ غنی و مال دار، بلکہ آپؐ فقیرانہ زندگی گزارتے تھے، کیوں کہ آپؐ کے ہاتھ میں کچھ نہیں بچتا تھا۔ جنگوں سے جو مال غنیمت آتا اس کا پانچواں حصہ آپؐ کے لیے مختص ہوتا۔ لیکن آپؐ ان میں سے نہیں تھے کہ پڑوسی بھوکا ہو اور آپؐ محو آرام ہوں۔ مال جیسے ہی آتا آپؐ پہلی فرصت میں اسے راہ خدا میں خرچ فرما دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپؐ کئی دن ورات فاقہ سے گزارتے، بھوکے سو جاتے اور فقر وفاقہ سے بے پروا خرچ کرتے رہتے۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپؐ سے کوئی کچھ مانگے اور آپؐ اسے کچھ عطا نہ فرمائیں۔ آیئے ہم آپؐ کی زندگی کے اندر داخل ہو کر آپؐ کی کشادہ دستی کا مشاہدہ کریں۔

سخی ترین

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہؐ کے چچا زاد ہیں۔ وہ رسول اللہؐ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کار خیر میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان کے مہینے میں تو سخاوت قابل دید ہوتی۔(۱)

کسی سائل کو نہ لوٹاتے

آپؐ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپؐ سے ضروری چیز کوئی مانگتا تو کبھی سائل کو واپس

(۱) بخاری: ۴۹۹۷

نہ لوٹاتے۔ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ’’رسول اللہؐ سے جب بھی کوئی چیز مانگی گئی تو آپؐ نے کبھی نہیں، نہیں کہا۔‘‘ (۱)

فیاضی کی معراج

آپؐ کے در پر کوئی سوالی بن کر آئے تو آپؐ اسے نوازے بغیر واپس نہیں کرتے تھے۔ چاہے جو چیز آپؐ سے طلب کی گئی ہو، چاہے وہ آپؐ کی پسندیدہ ہی چیز کیوں نہ ہو۔ حدیث میں ایک بڑا اہم واقعہ آیا ہے۔ ایک خاتون حضورؐ کی خدمت میں خوبصورت انداز میں بنی ہوئی حاشیہ دار چادر لائیں۔ راوی نے پوچھا: تمھیں معلوم ہے وہ کون سی چادر تھی۔ انھوں نے جواب دیا وہ تہبند ہے، کہا ہاں۔ اس خاتون نے بتایا کہ میں نے خود یہ چادر بنی ہے۔ اور آپؐ کے زیب تن کرنے کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں۔ حضورؐ نے اس تحفے کو بصد مسرت شرف قبولیت بخشا۔ حضورؐ نے اسے تہبند بنا کر پہن لیا اور باہر جلوہ افروز ہوئے، تو ایک صحابی نے اس تہبند کی بڑی تعریف کی اور کہنے لگے کہ بہت عمدہ ہے، مجھے بخش دیجیے۔ اس پر حاضرین نے کہا یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ حضورؐ کو یہ چادر خود پسند تھی اور تم یہ جانتے ہو کہ آپؐ کبھی سوال کو ٹھکراتے نہیں۔ مانگنے والے نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نے یہ چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی ہے بلکہ اپنے کفن کے لیے مانگی ہے۔ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں کام آئی۔ (۲)

دیکھیے کتنی خوبصورت اور پسندیدہ چادر تھی اور تھوڑی دیر ہی زیب تن فرمائی تھی کہ کسی کو پسند آ گئی اور اس نے مانگ لی۔ بس پھر کیا تھا، آپؐ نے عطا فرما دی۔ یہ فیاضی و دریا دلی اور چشمۂ فیض کی روانی ہے جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ کوئی مثال۔

دو پہاڑوں کی بکریاں

جنگ سے واپسی کے بعد مال غنیمت میں سے آپؐ کا حصہ نکالا جاتا تھا، لیکن وہ

(۱) بخاری: ۱۲۷۷ (۲) بخاری: ۲۱۰

سارا کا سارا مال خرچ کیے بغیر آپؐ نہ سوتے۔ آپؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ
''اسلام پر کسی چیز کا سوال کیا گیا تو آپؐ نے وہ چیز ضرور دی۔''

ایک دفعہ آپؐ کے پاس ایک صاحب آئے تو آپؐ نے دو پہاڑیوں کے درمیان موجود ساری بکریاں اسے دے دیں، وہ واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور کہا: ''میرے لوگو! اسلام قبول کرلو کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔'' (۱)

انفاق کے فضائل

ابھرتے ہوئے معاشرے کے اندر آپؐ انفاق کی جڑیں قائم کردینا چاہتے تھے، تاکہ یہ چیز معاشرے کو اقتصادی بحران سے تحفظ فراہم کرنے میں مدد دے سکے اور مال داروں اور غریبوں کا فاصلہ کم ہو اور دونوں طبقات کے درمیان فطری توازن قائم ہو۔ اس کے لیے جو اہم اقدامات کیے گئے وہ یہ ہیں:

(۱) **منفعت کا تسلسل:** رسول اللہؐ نے ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کی غرض سے تین ایسے عمل بیان فرمائے جن کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ فرمایا:
''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل سوائے تین عمل کے رک جاتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسرے نفع بخش علم، تیسرے نیک اولاد جو دعا کرے۔'' (۲)

(۲) **بہترین صدقہ:** حضورؐ نے صدقہ کا ایک ایسا مفہوم بیان فرمایا جسے بیشتر لوگ نہیں جانتے، وہ یہ کہ اللہ کے یہاں بہترین صدقہ وہ ہے جو بیوی اور اولاد کے لیے ہو۔ سب سے عمدہ صدقہ وہی ہے جو اپنی ذات اور اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی کے بعد نکالا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ صدقہ کرنے والا صدقہ نکالنے کے بعد کسی دوسرے پر خود بھی بوجھ بن جائے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''بہترین خیرات وہ ہے جس کے دینے کے بعد آدمی مال دار

(۱) مسلم: ۱۲: ۲۳ (۲) مسلم: ۱: ۱۶۳

رہے، پھر صدقہ پہلے انھیں دو جو تمہارے زیر پرورش ہیں۔'' (۱)

(۳) **خیر کے دروازے:** رسول اللہؐ نے خیر کا دروازہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔
رسول اللہؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا: کیا میں تمھیں خیر کے دروازے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے، اور صدقہ اسی طرح گناہ کو مٹاتا ہے، جس طرح آگ کو پانی بجھاتا ہے۔'' (۲)

(۴) **صدقہ کا وسیع مفہوم:** رسول اللہؐ نے صدقہ کا وسیع مفہوم بیان فرمایا تاکہ لوگ یہ نہ سمجھتے رہیں کہ صدقہ صرف غریبوں اور ضرورت مندوں کو نوازنے کا نام ہے۔ حضورؐ نے صدقہ کے وسیع مفہوم کو بیان کیا، جس میں بیوی، اولاد، خادم اور خود انسان کی ذات سب شامل ہیں۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں: ''تم نے جو بیوی کو کھلایا وہ تمھارے لیے صدقہ ہے۔ جو اولاد کو کھلایا وہ تمھارے لیے صدقہ ہے، جو خادم کو کھلایا وہ صدقہ ہے اور جو خود کھایا وہ بھی صدقہ ہے۔'' (۳)

---

(۱) بخاری: ۱۴۲۶ (۲) صحیح الترغیب: ۸۶۸، البانی نے صحیح کہا (۳) احمد: ۵۵۳۵، البانی نے صحیح کہا

رسول اور احساس کی رعایت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد ہوئی اور آپؐ کی بعثت کا اہم مقصد اخلاقی قدروں کی تکمیل قرار پایا۔ حضورؐ کا فرمان ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ (۱) ''میں تو اخلاقی قدروں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔'' گویا حضورؐ ایسے معاشرہ میں تشریف لائے تھے جس میں اخلاقی قدروں کی کچھ رمق باقی تھی۔ کچھ اخلاق ٹھیک تو کچھ بگڑی شکل میں تھے۔ آپؐ نے ان کی تکمیل و تصحیح فرمائی۔

یہ حقیقت ہے کہ اخلاقی قدروں کے زرّیں اصولوں میں دوسروں کے احساسات کی رعایت بہت اہم ہے۔ احساسات کا مجروح ہونا، جذبات کا چکنا چور ہونا، مزاجی لطافت، خیالی نزاکت کا خیال رکھنا قابل توجہ ہے، کیوں کہ انسانیت کے ساتھ رحمت، محبت اور شفقت کے دائرے میں رہ کر اصلاح کرنا مقصود ہے، انہدامی کارروائی یا ایذارسانی مطلوب نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہؐ کی نمایاں خوبی اور کمال جذبات و احساسات کی رعایت کرنا تھا۔

لوگوں کو کیا ہوا

ریاست کے قیام کی ابتدا میں حضورؐ اپنے ساتھیوں میں غلط باتیں دیکھتے، لیکن ان کی اصلاح کے لیے براہ راست گرفت کی صورت اختیار نہ فرماتے۔ جب آپؐ کسی کو غلطی پر دیکھتے تو خطبہ یا وعظ میں یوں فرماتے: لوگوں کو کیا ہوا؟ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) الادب المفرد: ۲۰۱۷

کہتی ہیں: جب حضورؐ کے کانوں میں کسی کی کوئی شکایت پہنچتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں کو کیا ہوا، اس نے ایسا کیوں کیا، بلکہ فرماتے لوگوں کو کیا ہوا، ایسا ویسا کرتے ہیں۔(۱) اب جس میں وہ کمی ہوتی وہ سمجھ جاتا اور اپنی اصلاح کر لیتا اور رسوائی سے بچ جاتا۔

جرم کے بارے میں نہ پوچھتے

سخت ترین مخالفین قریش کے کافروں کے ساتھ باہمی گفتگو کے وقت جذبات کی رعایت کے بارے میں قرآن کریم نے رسول اللہؐ کی معیاری تہذیب اور ادب ولحاظ کی بلندی کو نقل کیا ہے۔قرآن نے کہا:

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۲۵﴾ (۲)

''ان سے کہو کہ جو قصور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔''

یہ نہیں کہا کہ ہمارے عمل کے بارے میں آپؐ سے نہیں پوچھا جائے (قیامت کا دن مراد ہے) اور نہ ہم سے تمہارے عمل کے بارے میں سوال ہوگا۔ جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانے کی یہ بڑی دل کش ادا ہے۔

مرنے والوں کی برائی نہ کرو

کسی مرنے والے میں برائیاں اور خرابیاں ہوسکتی ہیں۔لوگوں کے جذبات مجروح نہ ہوں، اس لیے رسول اللہؐ مرنے والے کے رشتہ داروں اور دوستوں کے سامنے اس کے عیوب بیان کرنے سے منع فرمایا۔حدیث میں ہے: ''مردوں کو گالیاں نہ دو کہ اس سے ان کو تکلیف پہنچاؤ گے۔''(۳) مرنے والے نے جس قدر بھی گناہ ومعصیت اور فتنہ وفساد برپا کیا ہو، پھر بھی اس کے عیوب بیان نہ کیے جائیں۔

(۱) ابوداؤد: ۴۷۸۸، البانی نے صحیح کہا (۲) سبا: ۲۵ (۳) ترمذی: ۱۹۸۲، البانی نے صحیح کہا

عبادت میں جذبات کی رعایت

سارے لوگ طاقت، برداشت اور عمر میں یکساں نہیں ہوتے۔ اس لیے جو امام نمازیوں کی امامت کرے وہ نمازیوں کے جذبات کی ضرور رعایت کرے۔ نماز لمبی نہ پڑھائے کہ اس کے پیچھے بڑے بوڑھے، ضرورت منداور بیمار نمازی ہیں۔ رسول اللہؐ اپنے صحابہ کو اس کی تلقین فرماتے تھے۔ عثمان بن ابوالعاصؓ سے رسول اللہؐ نے فرمایا: ''اپنی قوم کی امامت کرو اور جو کسی قوم کی امامت کرے تو چاہیے کہ وہ نماز ہلکی پڑھائے۔ اس لیے کہ نمازیوں میں بوڑھے، بیمار، کمزور اور ضرورت مند ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں، جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے پڑھے۔''(۱)

بدترین دشمن کی نماز

عبداللہ بن اُبی رسول اکرمؐ کا بدترین دشمن تھا۔ منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے پیارے رسولؐ کو بے پناہ اذیت پہنچائی۔ اس نے نبیؐ کو گالیاں دیں۔ مدینہ منورہ سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ جنگ احد میں ایک تہائی فوج لے کر میدان جنگ سے لوٹ گیا۔ آپؐ کی زوجہ حضرت عائشہؓ پر نامناسب تہمت لگائی۔ اس کے باوجود جب وہ مرا تو اس کے مؤمن بیٹے حضرت عبداللہؓ کے جذبات کی رسول اللہؐ نے رعایت کی۔ جب عبداللہ بن ابی مر گیا، تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ اپنی قمیص عطا فرمائیں کہ باپ کو اس میں کفنا دیں۔ حضورؐ نے قمیص عطا فرما دی، پھر انھوں نے التجا کی کہ نماز جنازہ پڑھا دیں۔ رسول اللہؐ اس کی نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر کیا تھا، حضرت عمرؓ بڑھے اور آپؐ کا دامن پکڑ لیا۔ کہنے لگے: رسول اللہ! آپ نماز کے لیے تیار ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا ہے۔ حضورؐ سراپا شفقت نے جواب دیا کہ مجھے اللہ نے اختیار دیا ہے:

(۱) مسلم: ۴٦٨

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً (۱)

''اے نبیؐ، تم خواہ ایسے لوگوں کے لیے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی انھیں معاف کر دینے کی درخواست کرو''۔

رسول اللہؐ نے نماز جنازہ پڑھا دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ (۲)

''اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔''

سائل کو نہ لوٹاتے

رسول اللہؐ مال کے طلب گاروں کے جذبات کا خیال فرماتے۔ چاہے آپؐ محسوس کرتے کہ مانگنے والا ضرورت مند نہیں ہے۔ پھر بھی اس کے احساسات کا پاس رکھتے اور ایسا جواب مرحمت فرماتے کہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ صدقات کی تقسیم ہو رہی تھی کہ اتنے میں دو لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ صدقہ کے مستحق نہیں لگ رہے تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کو پیارا سا جواب دیا اور سخت جواب سے تکلیف نہ پہنچائی۔

حضرت عبید اللہ بن عدیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حجۃ الوداع کے موقع سے حاضر ہوئے۔ رسول اللہؐ صدقہ تقسیم فرما رہے تھے تو ان دونوں نے بھی صدقہ کی درخواست کی۔ رسول اللہؐ نے نگاہ اٹھائی اور جھکا لی۔ آپؐ نے ہمیں صحت مند دیکھا، فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں دوں لیکن یاد رہے صدقہ مال دار اور تندرست پیشہ ور کے لیے نہیں ہوتا۔ (۳)

(۱) التوبہ: ۸۰ (۲) التوبہ: ۸۴ (۳) ابوداؤد: ۱۶۳۳، البانی نے صحیح کہا

اُحد پہاڑ سے بھاری

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہؐ کے ساتھ گزرا ہوا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ جذبات کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں پیلو کے درخت سے آپؐ کے لیے مسواک توڑ رہا تھا اور ہوا انھیں اوندھا کیے دے رہی تھی، ان کی پنڈلی دبلی پتلی تھی۔ لوگ ان کی پتلی پنڈلی دیکھ کر ہنس پڑے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا کیوں ہنس رہے ہو؟ جواب ملا ان کی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر۔ حضورؐ نے فرمایا: ''بخدا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ دونوں پنڈلیوں کا وزن میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ ہوگا۔''

رسول اللہؐ نے بعض صحابہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پتلی پنڈلیوں پر ہنستے دیکھا تو ان کی دِل جوئی فرمائی اور ان کے احساس کو خوشیوں سے بھر دیا۔ ان کے جذبات کا اس قدر خیال فرمایا اور اتنی عظیم تعریف فرمائی۔

صفّہ والے

مدینہ منورہ میں رسول اللہؐ کے صحابہ کی ایک جماعت فقر و فاقہ کی شکار تھی۔ وہ بے چارے گزر بسر کے لیے کچھ نہ پاتے تھے۔ ان کے لیے مسجد نبوی کا ایک گوشہ خاص تھا۔ وہیں وہ آرام کرتے، شب و روز کے لیے وہی ان کا ٹھکانا تھا۔ رسول اکرمؐ ان کے ساتھ اکثر بیٹھتے اٹھتے اور ان کے ساتھ کسی وقت کا کھانا بھی کھا لیتے۔ یہ سب ان کی دل داری اور ان کے جذبات کا لحاظ کے لیے کرتے۔

آج تو رحمت کا دن ہے

جب فاتح اعظم رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے لیے چلے اور لشکر کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم فرما دیا۔ ہر ٹکڑی کا قائد قدیم الاسلام صحابہ میں سے کسی کو مقرر کیا گیا تھا۔ ادھر قریش کے سرداروں نے لشکر مدینہ کے آنے کی خبر سنی تو صورت حال کے جائزہ کے لیے دوڑ دھوپ

کرنے لگے۔ رسول اللہؐ کو ان سرداروں کے بارے میں خبر دی گئی۔ ان میں مکہ کا ایک بڑا لیڈر ابوسفیان بھی تھا۔ رسول اللہؐ کو یہ اچھا لگا کہ ان سرداران قریش کے سامنے اپنی فوج کی طاقت کا مظاہرہ کریں۔ پھر یہ فوجی ٹکڑیاں رسول اللہؐ اور سرداران قریش کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ ایک ٹکڑی گئی دوسری آئی، ایک ایک کرکے سلسلہ جاری رہا۔ اتنے میں مدینہ کے انصار کی ٹکڑی آئی۔ ان انصاریوں نے رسول اللہؐ کو ہجرت کے وقت اپنا سب کچھ پیش کیا تھا۔ ان کی قیادت خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کر رہے تھے۔

جب وہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو آواز لگائی: ابوسفیان! آج کا دن قتل عام کا دن ہے، آج کعبہ میں لڑنا بھی حلال کر دیا گیا ہے۔

جب نبیؐ ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو انھوں نے کہا: آپ کو نہیں معلوم! سعد بن عبادہ کیا کہہ کر گئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ انھوں نے کیا کہا ہے۔ ابوسفیان نے بتایا کہ فلاں اور فلاں بات کہہ کر گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سعد نے غلط کہا ہے بلکہ آج کا دن وہ ہے جس میں اللہ کعبہ کی عظمت اور زیادہ کرے گا۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ (۱) پھر سعد کو پیغام بھیج کر بلوایا اور جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔ (۲)

یہاں رسولؐ کی حکمت و دانش مندی روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جاتی، یا فتنہ پھیل جاتا۔ لیکن اس کا حل حکمت نبویؐ نے اخلاق کریمانہ سے نکال دیا اور حکمت کی بارانِ رحمت نے گرم ماحول کو اس وقت سرد کر دیا جب رسول اللہؐ نے قریش کے سرداروں کے جذبات کی رعایت فرمائی اور ان کے خوف کو ختم کیا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کی بات کو غلط قرار دیا اور جتا دیا کہ آج خوں ریزی کا دن نہیں ہے بلکہ رحمت و مہربانی کا دن ہے۔ آج کعبہ میں خوں ریزی درست نہیں بلکہ کعبہ کی عظمت فراواں ہوگی، اور اسے غلاف پہنایا جائے گا۔ آپؐ نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ قیادت میں تبدیلی کر دی۔ حضرت سعد بن

(۱) بخاری: ۴۲۸۰ (۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸/۱۳، ۹

عبادہ ؓ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے حضرت قیس ؓ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ یہاں بھی حکمت نبوی ﷺ کام کر رہی ہے اور یہ سبق مل رہا ہے کہ جذبات کی رعایت کا کیا طریقہ ہے۔ جب قیادت کی تبدیلی کی تو ان کے بیٹے ہی کو قائد بنایا تا کہ دل جوئی بھی ہو اور ان کے لیے دست بردار ہونا آسان بھی ہو اور دل میں میل بھی نہ آئے۔

———————

رسول اور اعتدال

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ زندگی کے لیے رہ نما خطوط واضح کر دیے ہیں، جن میں عبادات، معاملات، تعلقات اور خرچ بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کو نمایاں ترین مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۱)

''اِسی طرح تو ہم نے تمھیں ایک ''اُمّتِ وَسَط'' بنایا ہے۔''

رسول اللہؐ نے مسلمانوں کے کاروان اول کی تربیت میانہ روی و اعتدال کے اصولوں پر کی اور ہر معاملے میں انتہا پسندی و تشدد سے روکا، کیوں کہ امت مسلمہ کا بنیادی امتیاز ''میانہ روی'' ہے۔

روش درست کرنا

اعتدال و میانہ روی کو رسول اللہؐ لوگوں میں عام کرتے اور اسی کی دعوت دیتے۔ اسی لیے اپنے گھرانے کے سلسلے میں اسے اولین ترجیحات میں شامل کیا، تاکہ گھرانے کی تربیت میانہ روی و اعتدال کے مطابق ہو سکے۔ مثلاً آپؐ گھر کے اندر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی لٹک رہی ہے۔ آپؐ نے پوچھا: یہ رسی کیسی ہے؟ بتایا گیا: یہ زینب کی رسی ہے، جب نماز پڑھتے تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی

(۱) البقرہ: ۱۴۳

ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: ’’نہیں نہیں! اسے کھول دو، جب تک چستی رہے نماز پڑھے، تھک جائے تو بیٹھ جائے۔‘‘ (۱)

طریقۂ کار کو متوازن و معتدل بنانے کی یہ بڑی روشن اور واضح مثال ہے جو راہ اعتدال سے منحرف ہو جانے والے شخص کے لیے مفید ہے۔ رسول اللہؐ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپؐ کی صاحبزادی زینب دو ستونوں کے درمیان ایک رسی باندھے ہوئے ہیں تاکہ شب بیداری کے وقت سستی چھا جائے تو رسّی کو پکڑ لیں۔ رسول اللہؐ نے رسّی کھولنے کا حکم دیا اور اعتدال پسندی کی تلقین کی کہ جب تک نشاط رہے عبادت کرے، نفس کی طاقت سے زیادہ وزن نہ رکھے۔

کھانے اور بولنے کا روزہ

عدم اعتدال و عدم توازن کی ایک صورت وہ ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہؐ نے خطبہ کے دوران کیا۔ آپؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ ان کے بارے میں آپؐ نے پوچھا، تو بتایا گیا کہ یہ ابو اسرائیل ہیں۔ انھوں نے کھڑے رہنے، نہ بیٹھنے، سایہ میں نہ رہنے، بات نہ کرنے اور روزہ رکھنے کی نذر مانی ہے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہوا: ’’انھیں حکم کرو کہ سایہ میں رہیں، بیٹھیں اور روزہ پورا کریں۔‘‘ (۲) رسول اللہؐ کی بعثت عبادت کے ذریعہ نفس کو عذاب دینے کے لیے نہیں ہوئی ہے بلکہ اس طرح کی بے اعتدالی سے آپؐ نے شدت سے منع کیا ہے۔

اللہ نہیں اکتاتا مگر تم ہی اکتا جاؤ گے

رسول اللہؐ صحابہ کرام کی یہ تربیت فرماتے کہ وہ فرائض ادا کریں اور فرائض کی تکمیل کے لیے حسب استطاعت نفلوں کا اہتمام کریں۔ اور وسعت سے زیادہ اپنے اوپر بوجھ نہ ڈالیں کہ مبادا اکتا جائیں اور اکتا کر فرائض بھی چھوڑ دیں۔

(۱) بخاری: ۱۱۵۰ (۲) بخاری: ۶۷۰۴

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرمؐ تشریف لائے اوران کے پاس ایک خاتون تھیں۔ آپؐ نے پوچھا: کون صاحبہ ہیں؟ انھوں نے بتایا یہ فلانی ہیں اوران کی لمبی نمازوں کا ذکر کرنے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا: بس بس! تمھارے ذمے تمھاری استطاعت کے بقدر ہی ہے، بخدا اللہ نہیں اکتا تا یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ اور اللہ کو وہی دین داری پسند ہے جس دین داری کی پابندی کر سکے۔(۱)

عبادت کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو لیکن معمول کی پابندی ہو تو اللہ کو بے حد پسند ہے۔ وقتی جوش میں زیادہ سے زیادہ عبادت پھر سب کچھ ختم کرنا اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے۔

کمزور اور ضرورت مند کی رعایت

رسول اللہؐ صحابہ کو امامت کے آداب سکھاتے اور بتاتے کہ امامت کرتے وقت لمبی نماز نہ پڑھاؤ جس کا تحمل بیمار اور ضرورت مند نہ کر سکے اور نہ اتنی مختصر نماز ہو کہ نمازیوں کو جلد بازی کی وجہ سے فائدہ ہی نہ پہنچے، بلکہ اعتدال و توازن اور میانہ روی کا خیال رکھے۔

حضرت انسؓ رسول اللہؐ کی نماز اور اس میں اعتدال کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میں نے جیسی ہلکی پھلکی، لیکن مکمل نماز رسول اللہؐ کے پیچھے پڑھی ایسی کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی۔ رسول اللہؐ اگر بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشے سے کہ اس کی ماں کو تکلف نہ ہو نماز مختصر کر دیتے۔(۲)

اس سلسلے میں آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ پر نکیر فرمائی۔ وہ اپنے قبیلے کی امامت کیا کرتے تھے، اور لمبی نماز پڑھاتے تھے۔ ایک نمازی نے نماز توڑ کر تنہا نماز پڑھی اور رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت معاذؓ کی شکایت کی کہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ جب حضرت معاذؓ آپؐ کی خدمت میں آئے تو نبیؐ نے فرمایا: ''کیا تم آزمائشیں پیدا کرتے ہو؟ اے معاذ! تمھاری لمبی نماز کی وجہ سے لوگ نماز سے دور بھاگ

---

(۱) بخاری: ۴۳ (۲) بخاری: ۷۰۸، مسلم: ۴۶۵، معمولی فرق کے ساتھ

رہے ہیں۔ پھر آپؐ نے موزونیت واعتدال اورلوگوں کے حالات کا خیال رکھنے کی تعلیم دی۔

تین لوگ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات ومعمولات میں شدت پسندی اللہ کو پسند ہے اوردین اس کی دعوت دیتا ہے، پھر وہ اپنی ذات کوتشدد کا نشانہ بناتے ہیں اوردوسروں پر بھی سختی کرتے ہیں۔ایسے لوگ دین کے بتائے ہوئے معتدل ومتوازن راستے سے بہت دور ہیں۔حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ تین افراد پر مشتمل ایک جماعت رسول اللہؐ کے گھر پر حاضر ہوئی۔مقصد نبی اکرمؐ کی عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔جب گھر والوں نے بتایا تو ایسا لگا کہ پوچھنے والوں نے آپؐ کی عبادت کی مقدار کوکم خیال کیا اور کہنے لگے، ہمارا آپؐ کے مقابلے میں کیا شمار! آپؐ کی اگلی پچھلی چوک بھی معاف کردی گئی ہے۔ان میں سے ایک نے کہا: اب میں تو پوری رات ہمیشہ نماز میں گزاروں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اورتیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا، شادی بالکل نہ کروں گا۔رسول اللہؐ تشریف لائے اورآپؐ کوان لوگوں کی باتوں کا علم ہوا،تو ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟ بخدا میں اللہ سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں اورتم سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں۔نماز بھی پڑھتا ہوں اورسوتا بھی ہوں اورعورتوں سے میں نے نکاح بھی کیا ہے، جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ ہم میں سے نہیں۔(۱)

ہرنسل اور ہر سماج میں انسانیت کے کچھ نمونے تاریخ دوہراتے ہیں۔ وہ راہ اعتدال سے بھٹک جاتے ہیں اورخود کو سیدھی راہ پر جب کہ دوسروں کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ جب راہ اعتدال سے دوری کی مقدار ناپنے کی کسوٹی نہ ہوتو غلو وانتہا پسندی بڑھتے بڑھتے اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جہاں سے اعتدال تک واپسی دشوار ہوجاتی ہے۔رسول اللہؐ کی

(۱) بخاری: ۵۰۶۳

ذات گرامی اعتدال اور غلو میں فرق کی کسوٹی تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہؐ نے بے اعتدالی کے شکار لوگوں سے ملاقات کی تو سب پہلی بات یہ فرمائی کہ میں اللہ سے تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ وہ رسول اللہؐ سے بھی زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ سے زیادہ قریب ہے، پھر ان کی اصلاح کی اور اعتدال کا معیار بتایا۔

———————

رسول اور مثبت اقدار کا فروغ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر فرد اور خاص طور سے اپنے ساتھیوں کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں اور جوہر کو تلاش کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، تاکہ اس کو فروغ دیں اور وہ صلاحیت زندگی کی کامیابی کا ذریعہ بنے، اس لیے رسول اللہؐ کی مہم کا ایک حصہ توانائیوں اور صلاحیتوں کا انکشاف اور نئے معاشرہ کی تعمیر کے مجوزہ مقصد میں ان کا استعمال کرنا تھا۔

اس شخص میں بہادری وگھوڑسواری کا فن دریافت کیا تو اسے فوج کی سپہ سالاری کی ہدایت دیتے ہیں۔ ان صاحب کی آواز خوب صورت ہے تو ان کے حوالے مؤذنی کرتے ہیں اور یہ جو صاحب ہیں ان کا حافظہ بہت اچھا ہے تو ان کو مختلف زبان سیکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ ان کی تحریر بہت اچھی ہے اور لکھنے پڑھنے سے واقف ہیں تو ان کا انتخاب وحی کی کتابت کے لیے ہوتا ہے اور شاہان عالم کے نام خطوط نویسی کا فریضہ ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جس کے اندر فن تعلیم کا انکشاف ہوتا ہے ان کے سپرد تعلیم ہوتی ہے اور دیکھیے ایک صاحب بے چینی اور گھبراہٹ کے شکار ہیں تو ان میں امید و فال نیک کی مثبت اقدار پیدا کی جا رہی ہے۔ فلاں صاحب کو دیکھا کہ اپنی غلطیوں کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں تو ان کے لیے رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اس طرح رسول اللہؐ صحابہ کرام میں مثبت اقدار کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

ناموں کی تبدیلی

محمدؐ مدنی معاشرہ میں مثبت اقدار کی جڑ کو مضبوط کرنے کے انتہائی خواہش مند تھے اور ایسے لوگوں کو ایک کامیاب امت بنانا چاہتے تھے۔ اسی لیے آپؐ جہاں کہیں کمزوری

دیکھتے اسے دور کرنے کی پہل کرتے اور جہاں منفی پہلو کا گزر ہوتا اسے مثبت پہلو میں تبدیل کرتے۔ اسی سلسلے میں منفی پہلو کے ناموں کو اچھے بھلے ناموں میں تبدیل کرنا ہے۔ کیوں کہ آپؐ انسان کی شخصیت سازی میں ناموں کے کردار سے واقف تھے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا سامنا ہر دن پوری عمر کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''(رسول اللہؐ) برے نام بدل کر اچھے نام رکھ دیا کرتے تھے۔''(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہؐ نے عاصیہ (گنہگار) کا نام بدل دیا اور کہا کہ آپ جمیلہ (خوبصورت) ہیں۔''(۲)

ہم بطور مثال دو ناموں کا تجزیہ کرتے ہیں جن کی تبدیلی کی گئی۔ حرب کی معنوی حیثیت تشدد ہے۔ اس لیے اسے سلم سے بدل دیا جو مثبت پہلو رکھتا ہے۔ اسی طرح مضطجع کی حقیقت نیند، سستی اور کم ہمتی ہے، اس کو بدل کر منبعث کر دیا جو بیداری، بلند ہمتی اور مضبوطی کا غماز ہے۔ دیگر ناموں کے بارے میں بھی آپؐ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔

غصہ نہیں غصہ نہیں

غصہ وہ بری عادت ہے جو انسان کی ایجابی قوت کا جنازہ نکال دیتی ہے اور بے شمار انسانی خوبیوں سے عاری کر دیتی ہے۔ اس لیے جو اس منفی عادت کا شکار ہوتا رسول اللہؐ اس کی اس روش کو درست کرنے کی سعی پیہم فرماتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: ایک صاحب نے رسول اللہؐ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''غصہ نہ کرو اور بار بار فرمایا غصہ نہ کرو۔''(۳)

یہ کتنی بڑی نصیحت ہے، کیوں کہ غصہ بہت سے مجرمانہ جرائم کا محرک ہوتا ہے۔ جیسے قتل، جنگ، قطع رحمی، ظلم، طلاق اور دیگر منفی پہلو وغیرہ۔

---

(۱) ترمذی: ۲۰۷، البانی نے صحیح کہا (۲) مسلم: ۹۱۳۹ ۲ (۳) بخاری: ۶۱۱۶

انسانی صلاحیتوں کا فروغ

کامیاب قائد اور لیڈر افراد کی صلاحیتوں کو اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اس بارے میں بھی اعلیٰ مثال تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں میں توانائیوں اور صلاحیتوں کی تلاش وجستجو میں رہتے اور جیسے ہی انکشاف ہوتا اس کی صلاحیت کا موزوں انداز میں استعمال کرتے۔ جس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱) **حضرت خالد بن ولیدؓ** معرکہ احد میں رسول اللہؐ کے خلاف لڑے تھے، پھر اسلام لائے اور اسلامی فوج کی قیادت کی، معرکہ موتہ میں روم کے خلاف لڑے۔ مکہ، عراق، شام اور روم کے خلاف لڑے۔ ۲۱ ہجری میں وفات ہوئی۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت خالد بن ولیدؓ میں فنون حرب وضرب اور جنگی امور میں قائدانہ صلاحیت نظر آئی، اسی صلاحیت کی وجہ سے قریش نے خالد بن ولید کے مسلمان ہونے سے پہلے جنگوں میں ان پر بھرپور اعتماد کیا تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہؐ نے اسی میدان میں ان کا استعمال کیا، چنانچہ وہ رسول اللہؐ کے زمانے میں بیشتر معرکوں کے سپہ سالار رہے اور خلفائے راشدین کے عہد میں بھی ان کی خدمات حاصل رہیں۔

(۲) **حضرت زید بن ثابتؓ:** رسول اللہ نے زید بن ثابتؓ کے اندر قوت حافظہ کا انکشاف کیا تو ان کو عبرانی زبان پڑھنے میں لگایا تاکہ عبرانی زبان بولنے والوں سے

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳٦٦

رابطہ ہوسکے۔ اس لیے کہ وہ بھی مدینہ منورہ کے معاشرہ کا ایک حصہ تھے۔ زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے یہودیوں سے مراسلت کا طریقہ سیکھنے کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ میں مراسلت میں یہودیوں پر بھروسہ نہیں کرتا۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ دو ہفتے میں مراسلہ نگاری سیکھ لی۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ عبرانی زبان سیکھ لینے کے بعد جب یہودیوں کے نام خط لکھنا ہوتا تو میں ہی لکھتا اور جب ان کے مراسلے آتے تو میں ہی پڑھتا۔(۱)

(۳) **اچھی آواز:** رسول اللہؐ نے حضرت بلال بن رباحؓ کے اندر اچھی آواز کا احساس کیا تو ان کو اذان کی خدمت سپرد کردی اور اذان کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، اس میں یہ بات واضح طور پر آئی ہے۔ اذان کا مرکزی کردار تو عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کے گرد گھومتا ہے۔ خواب تو عبداللہ بن زیدؓ نے دیکھا لیکن رسول اللہؐ نے اذان پڑھنے کا مکلف بلالؓ کو بنایا، جیسا کہ عبداللہ بن زیدؓ کی زبانی معلوم ہوتا ہے: ''جب صبح نمودار ہوئی اور رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو خواب کی بات ہم نے سنائی۔ حضورؐ نے فرمایا: بے شک یہ خواب سچا ہے۔ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، وہ بلند اور پیاری آواز والے ہیں۔ اذان کے الفاظ ان کو بتاتے رہو اور وہ اذان کہتے رہیں۔ عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں: جب عمر بن الخطاب نے بلال کی اذان سنی تو وہ لباس سنبھالتے ہوئے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو برحق بھیجا۔ میں نے بھی یہی خواب میں دیکھا جس کی ندا لگی۔ رسول اللہؐ نے کہا اللہ کا شکر ہے۔ بات اور مضبوط ہوگئی۔(۲)

مثالیں اور بھی ہیں

یہ صرف تین نمونے ہیں، لیکن رسولؐ کی زندگی میں ایسے نمونے بہت ہیں کہ آپؐ نے بے شمار افراد کی مخفی صلاحیتوں کا ادراک فرمایا اور پھر ان سے کام لیا اور صحیح جگہ کے لیے انھیں منتخب فرمایا۔

(۱) ترمذی: ۲۷۱۵، البانی نے صحیح کہا (۲) ترمذی: ۲۸۲۹، البانی نے صحیح کہا

اسے لگا دو

یہ اس بات کی بڑی خوبصورت اور شاہکار مثال ہے کہ رسول اکرمؐ اُس نئے معاشرہ میں انسانوں کی صلاحیتوں کے فروغ کی کوشش کرتے تھے۔ آپؐ کا مقصد ایک ایسی ممتاز و فائق نسل اور معاشرے کی تشکیل تھی جو ہر میدان میں یکتا ہو، خاص طور سے اس کا علمی و تحقیقی گوشہ سب سے نمایاں ہو، قول کے مقابلے میں عمل کو ترجیح حاصل ہو اور وقت کی قدر ہو چاہے زندگی کی آخری کھڑی آن پہنچی ہو۔ دنیا ختم ہو رہی ہو، بلکہ قیامت قریب آ گئی ہو۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ اپنے پیروکاروں سے مخاطب ہیں، فرماتے ہیں: اگر قیامت برپا ہو اور تمہارے ہاتھ میں پودا ہو، اور اسے لگا سکو تو لگا دو۔ (۱) نبیؐ اس حدیث میں جس پودے کا ذکر فرما رہے ہیں، وہ کھجور کا پودا ہے۔ یہ ایسا پودا ہے جسے ثمر آور ہونے کے لیے پانچ سال یا اس سے بھی زیادہ کا وقت درکار ہوتا ہے۔ تم دیکھو کہ قیامت واقع ہو چکی ہو، تو اس حالت میں رسولؐ اس پودے کو لگانے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس سے حالات پر رونے کے بجائے عمل اور مثبت رویّے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے

ہجرت کے موقع پر جب رسول اللہؐ اور حضرت ابو بکرؓ مکہ سے مدینہ ہجرت کے ارادے سے چلے تو قریش کے کافروں نے آپؐ کو ہر جگہ تلاش کرنا شروع کیا اور اعلان کیا گیا کہ جو زندہ یا مردہ حالت میں لائے گا اسے بڑا انعام ملے گا۔ ادھر پہاڑیوں اور غاروں سے گزرتے ہوئے غار ثور تک پہنچے اور اس کے اندر چھپ گئے۔ اس سخت ترین لمحات میں کافروں نے تلواریں سوت لیں، تاکہ سر مبارک قلم کر دیں یا گرفتار کریں اور انعام پا سکیں۔ یار غار ابو بکرؓ غار میں سے کافروں کے قدم دیکھ رہے تھے۔ وہ خوف سے کانپ رہے تھے، مبادا رسول اللہؐ کو کوئی گزند پہنچ جائے۔ وہ کہنے لگے جیسا کہ بخاری میں ہے: ''میں رسول اللہؐ

(۱) الادب المفرد: ۱۷۳، البانی نے صحیح کہا

کے ساتھ غار میں تھا کہ مجھے مشرکوں کے آثار دکھائی دیے تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی نے قدم اٹھایا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ فرمایا: ایسے دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہو کیا خیال ہے۔'' (۱) مثبت فکر و شعور سے آپؐ کا دل اس قدر معمور تھا کہ جو آپؐ کے آس پاس ہوتا اس پر بھی اس کا عکس پڑتا۔ اس طرح فضا پرسکون ہو جاتی اور منفی احساسات کو مثبت خیالات میں بدل دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کا حاصل یہ تھا کہ رفیق محترم کیوں خائف ہیں؟ جب کہ سب سے بڑی طاقت ہمارے ساتھ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

بس شانہ بچا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''لوگوں نے بکری ذبح کی۔ رسول اللہؐ نے پوچھا بکری کا گوشت کتنا بچا؟ میں نے عرض کیا صرف شانہ بچا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''شانہ کے سوا سب بچ گیا۔'' (۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ حقیقت واقعہ نقل کر رہی ہیں کہ بکری ذبح ہوئی۔ گوشت محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ نبیؐ کے گھرانہ کے لیے صرف ایک شانہ بچا ہے۔ لیکن رسول اللہؐ نے حقیقت ہی بدل دی جس کی معنویت نے چار چاند لگا دیا۔ وہ یہ کہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کو جو دیا گیا وہی اللہ کے یہاں باقی رہے گا۔ جس کے اثرات دینے والا اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا ہے اور اللہ کے یہاں اجر کی امید رکھتا ہے۔ رہا وہ شانہ جو رہ گیا اسے گھر والے کھالیں گے ختم ہو جائے گا اور جو راہ خدا میں خرچ کیا گیا اس کے اثرات نہ اللہ کے یہاں مٹیں گے اور نہ لوگوں میں ختم ہوں گے۔ دینے والے کی طبیعت مسرت کا احساس کرے گی۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا: ''شانہ کے سوا سب بچ گیا۔''

---

(۱) بخاری: ۴۶۶۳ (۲) التوبہ: ۴۰ (۳) ترمذی: ۲۴۷۰، البانی نے صحیح کہا

رسول اور سائنسی تحقیقات

ایسی بہت سی سائنسی تحقیقات ہیں جن کا انکشاف جدید سائنسی علوم نے کیا ہے، اور جن کے بارے میں رسول اللہؐ نے چودہ سو سال پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ جب کہ پانچویں صدی عیسوی میں ان تحقیقات کے بارے میں کسی طرح کی کوئی معلومات نہیں تھیں۔ رسول اللہؐ باضابطہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس دور میں ایسی معلومات دی تو ان کے پاس یہ علم آسمان سے ہی آیا۔ رسول اللہؐ نے جن سائنسی تحقیقات وانکشافات کے بارے میں بتایا ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) انسانی جسم کے جوڑ

رسول اللہؐ نے انسانی جسم کے جوڑوں کی تعداد کے بارے میں خالص علمی گفتگو تشریح الاعضا کے مطابق کی اور یہ بات پانچویں صدی عیسوی کی ہے، حالاں کہ یہ سائنسی تحقیق پچھلی چند صدیوں میں سامنے آئی ہے۔ اس کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''بنی آدم میں سے ہر انسان کو تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے تو جس نے تکبیر کہی، اللہ کی حمد کہی، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اللہ کی تسبیح کہی، اللہ سے مغفرت مانگی، لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر ہٹا دیا، لوگوں کے راستے سے کانٹا یا ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا یا برائی سے روکا اس تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر تو وہ اس دن اس طرح چلے گا کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے دور کر چکا ہوگا۔'' (۱)

(۱) مسلم: ۱۰۰۷

اس حدیث کے مضمون کے بارے میں ان ماہرین علم نے اظہار خیال کیا ہے:

(۱) ڈاکٹر شریف احمد جلال

(۲) ڈاکٹر احمد عبدالمنعم العیاط

(۳) ڈاکٹر مصطفیٰ محمد عبدالمنعم

(۴) ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر

یہ چاروں ماہرین جوڑ (مفصل) کی اصطلاحی وفنی تعریف پر متفق ہیں کہ دو ہڈیوں یا ایک ہڈی اور ایک کڑی یا دو کڑیوں کے ملنے کی جگہ جسم انسانی میں جہاں ہو اسے ''مفصل'' (جوڑ) کہتے ہیں، جب کہ ان دونوں کے درمیان فصل کرنے والی کوئی شے نہ ہو۔

ان ماہرین کے کہنے کے مطابق یہ تعریف علم لغت سے متعارض نہیں ہے، البتہ ''مفصل'' کا لفظ علمی وفنی ضابطے میں مندرج ہوتا ہے، جوان جوڑوں کو بھی شامل ہوتا ہے جن میں غضروف (نرم ہڈیاں) بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح دور حاضر کی میڈیکل سائنس کے حوالوں سے بھی متعارض نہیں ہے۔

البتہ لغوی مصداق کے تحت (مفصل کی) جو تشریح کی جاتی ہے وہ دو چیزوں کے درمیان الگ کرنے والی شئ کا وجود ہے۔ (۱) ڈاکٹر حامد احمد حامد نے اپنی کتاب رحلة الایمان فی جسم الانسان (انسانی جسم میں ایمان کا سفر) میں اس تعداد کی وضاحت اس طرح کی ہے:

(۱) ریڑھ کی ہڈی، اس میں 147 جوڑ ہوتے ہیں۔

- 25 ریڑھ کے مٹکے کے جوڑ
- 72 مہرے اور پسلیوں کے درمیان جوڑ
- 50 مہروں کے کنارے کی جانب

(۲) سینے میں 24 جوڑ

Quran-m.com(۱)

- 2 سر، سینہ اور پسلی کے پنجری کے درمیان جوڑ
- 18 سر، سینہ اور پنجری کے درمیان جوڑ
- 2 ہنسلی اور شانے کے جوڑ
- 2 شانے اور سینے کے جوڑ

(۳) بالائی سمت 86 جوڑ

- دونوں شانے کی ہڈیوں کے درمیان
- 6 کہنی کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ
- 8 کلائی کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ
- 70 دونوں ہاتھوں کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ

(۴) نچلی سمت میں 92 جوڑ

- 2 رانوں کے درمیان جوڑ
- 6 گھٹنوں کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ
- 6 بازوؤں کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ
- 74 قدموں کی ہڈیوں کے درمیان
- 4 گھٹنے کی ہڈیوں کی درمیان

(۵) شرونی کے 11 جوڑ

- 4 دم گزہ کے منکوں کے جوڑ
- 6 دائیں کی ہڈیوں کے درمیان جوڑ
- زیرناف میں جوڑ

میزان: 147+24+86+92+11=360 جوڑ(۱)

(۱) مرحلۃ الایمان فی جسم الانسان، بحوالہ الاعجاز العلمی فی السنۃ النبویۃ، ڈاکٹر زغلول النجار، نہضۃ مصر، القاہرہ، ۲۰۰۴، ج:۲، ص:۱۲۹

آسٹریلیائی میڈیکل ادارے کے خبرنامہ میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ انسانی جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ (۱)

(۲) جنین کی تشکیل

رسول اللہؐ نے جنین کی تشکیل کے بارے میں ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:

''تم میں سے ہر ایک شخص کا مادۂ تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں نطفے کی شکل میں اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر وہ اتنی ہی مدت (چالیس دن) کے لیے علقہ (جونک کی طرح رحم کی دیوار سے چپکا ہوا) رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت کے لیے مضغہ کی شکل میں رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے، اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل، اس کا رزق، اس کی عمر، اور یہ کہ وہ خوش نصیب ہوگا یا بدنصیب لکھ لیا جائے۔ اس کے بعد اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔'' (۲)

اور یہ قرآن کے بیان کے مطابق ہے جو کئی آیتوں میں ہے۔ مثلاً:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (۳)

''ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کر دیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔''

---

(۱) www.ahlalheeth.com (۲) بخاری: ۳۲۰۸ (۳) المؤمنون: ۱۲۔ ۱۴

قرآنی آیات واحادیث میں جنین کی تشکیل کے تین مرحلے کی وضاحت کی گئی ہے:
نطفہ،علقہ اورمضغہ یعنی مادہ منویہ،خون کاٹکڑااورلوتھڑا۔

جنین کی تشکیل کے مراحل کوقرآن وحدیث نے انتہائی حتمی وعلمی انداز میں صدیوں پہلے پیش کردیا ہے، جب کہ ان معلومات کے حصول کے ذرائع ناپید تھے، نہ سائنس تھی، نہ ٹکنالوجی اورنہ خوردبین جیسی کوئی مشین تھی۔ڈاکٹرکیتھ مور(Keith Moore)جودنیاکے معروف جینیاتی اسکالرز میں سے ایک ہیں۔جنین (ایمریالوجی) پریونیورسٹی سطح کی نصابی کتاب کےتعارفی باب میں، جسے دنیاکے کئی میڈیکل کالجوں نےمنظورکیاہے،وہ کہتے ہیں کہ ’’قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس نے ہمارے زمانے سے پہلے ہی انتہائی درستگی کے ساتھ جنین کی نشوونما کو بیان کیا ہے۔‘‘

۱۹۸٦ میں قرآن وحدیث کاعلمی اعجاز کےموضوع پر قاہرہ میں منعقدپہلی کانفرنس میں ڈاکٹرکیتھ مور نے اپنے محاضرہ میں کہا: ’’میں جنین کے مختلف مراحل کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کرشمہ نہیں سمجھتا کہ محمدؐ یا کوئی اورجنین کے مختلف مراحل کے بارے میں جانتا رہا ہوگا، کیوں کہ ان مراحل کا انکشاف بیسوی صدی کے آخر سے پہلے ہوا ہی نہیں تھا۔میں بڑے پرزورانداز میں کہتا ہوں کہ میں نے قرآن کریم میں جنین کی نشوونمااوررحم کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق جو کچھ پڑھا ہے وہ میری ان معلومات کے بالکل مطابق ہے جو میں دنیاکے معروف جینیائی اسکالرکی حیثیت سے جانتا ہوں۔‘‘(۱)

قرآن وحدیث میں جنین کے کل سات مرحلے بیان کیے گئے ہیں۔اسے ممتاز ماہرین جنین نےبھی ثابت کیاہے۔

(۱) انسان کی اصل (گندھاہواگارا)

(۲) مادۂ منویہ (نطفہ)

(۳) بستہ خون کاٹکڑا

(۱)www.islamstory.com

(۴) لوتھڑا

(۵) ہڈیاں

(٦) ہڈی پر گوشت

(۷) نشوونما (۱)

ان مراحل کی تفصیلات

(۱) **گندھا ہوا گارا:** سلالہ اس مٹی کا گارا جو زمین کے ہر حصے سے لی گئی اور اسی سے انسانیت کے جدامجد آدم پیدا کیے گئے اور طین وہ مٹی جو پانی اور مٹی کے آمیزہ سے بنی ہو۔

(۲) **نطفہ:** مردوزن کی منی جو جماع کے بعد باہم ملتی ہے اور مردوزن دونوں کی منی نطفہ ہے۔

(۳) **علقہ:** بستہ خون کا ٹکڑا- یہ جامد خون ہے جو دو پرت والا ہوتا ہے۔ اوپری پرت اور اندرونی پرت۔ اسی سے اللہ جنین پیدا کرتا ہے۔

(۴) **لوتھڑا (مضغۃ)** گوشت کی بوٹی، چھوٹا سا ٹکڑا جو منہ میں چبایا جاسکے۔ حمل ٹھہرنے کے بعد تیسرے ہفتے میں یہ لوتھڑا تیار ہوتا ہے اور یہ حالت دو مرحلوں سے گزرتی ہے۔

(الف) غیر تخلیق شدہ: یہ مرحلہ حمل کے تیسرے ہفتے سے چوتھے ہفتے تک جاری رہتا ہے اور اس میں کسی عضو کی شکل ظاہر نہیں ہوتی۔

(ب) تخلیق شدہ: حمل چار ہفتوں کے بعد بہت لطیف تبدیلیوں کے دور سے گزرتا ہے۔ اس میں خلیے بڑھتے ہیں۔ ایک حالت سے دوسری حالت بدلتی ہے، تاکہ انسان بن سکے اور یہ مرحلہ تیسرے مہینے کے اخیر میں تقریباً ختم ہوجاتا ہے۔

(۵) **ہڈیوں کی ہیئت:** اللہ نے فرمایا: فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا۔ ''پھر بوٹی کو ہڈیاں بنائیں۔'' اس مرحلے میں جنین ایک خاص شکل اختیار کرلیتا ہے اور لوتھڑے کی صورت ختم ہوکر ایک نئی شکل نمودار ہوجاتی ہے۔ نرم ہڈی (غضروف) کا ڈھانچہ تیار ہوجاتا ہے اور ساتویں ہفتے کے آغاز میں نرم ہڈی (غضروف) کے ڈھانچے میں ہڈی کے

(۱) الدلائل العلمیۃ بالاعجاز العلمی عندالنبیؐ www.alukahnet/sharid/o/51169

اولین نقوش ظاہر ہوتے ہیں اور سر کا حصہ دھڑ سے نکل کر اپنی شکل بنا لیتا ہے۔ ہاتھ پاؤں نمایاں ہوتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ اس مرحلے کے متعلق لکھتے ہیں: ''شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ سر، دو ہاتھ، دو پیر، ہڈیوں، پٹھوں، رگوں کی صورت بن جاتی ہے۔''

(٦) **ہڈی پر گوشت:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (۱) ''پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔'' اس مرحلے میں رحم میں پلنے والے بچے کی شکل بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ان درست و حیرت انگیز معلومات تک صدیوں بعد اس علم کے ماہرین کی رسائی ہو پائی کہ حمل کے ساتویں ہفتے کے اخیر میں ہڈیاں بنتی ہیں اور آٹھویں ہفتے میں پٹھے چڑھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مرحلہ آتا ہے ہڈیوں پر گوشت چڑھنے کا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا تذکرہ قرآن کرتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو بہترین ساخت پر بنایا۔

اس طرح جنین کی تخلیق کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے جس کا نام جنین کی تخلیق کا مرحلہ ہے۔ اللہ نے الٹرا ساؤنڈ کے توسط سے طبّی جانچ کے علم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بالغ شخص کے اندر موجود تمام داخلی و خارجی شناختیں جنین کے مرحلے میں ہی چوتھے ہفتے سے آٹھویں ہفتے کے دوران تخلیق پا جاتی ہیں، جیسا کہ طبی آلات اکسرے اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کے ذریعے جنین کے ان تمام اعضا کو حمل کے ابتدائی تین ماہ کے دوران بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

(٧) **نشوونما (بڑھوتری):** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ (۲) ''پھر اسے ایک دُوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔'' یہ مرحلہ نویں ہفتہ میں شروع ہوتا ہے، کیوں کہ جنین بارہویں ہفتے تک دھیمی رفتار سے بڑھتا ہے۔ اس کے بعد نشوونما کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور اخیر تک یہ مرحلہ جاری رہتا ہے۔ اس مرحلے کے خاص امتیازات ہیں، جن میں چند انتہائی اہم ہیں۔ جنین کے جسمانی نظام اعضا کا ارتقا تاکہ یہ اعضا اپنے کاموں کو انجام دینے کے

(۱) المؤمنون: ۱۴ (۲) المؤمنون: ۱۴

لیے تیار ہو سکیں۔اس سے انتہائی اہم کرشمۂ قدرت ظاہر ہوتا ہے۔اسی مرحلے میں اس کے اندر روح پیدا ہوتی ہے۔

پانچویں صدی عیسوی میں محمدؐ رحم مادر میں بننے والے بچے کی نوعیت، کیفیت اور مختلف مراحل کی تفصیلات بتاتے ہیں جو اس بارے میں قرآنی معلومات سے ہم آہنگ ہیں۔امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہؐ نے فرمایا ''تم میں سے ہر ایک شخص کا مادۂ تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر وہ اسی مدت (چالیس دن) کے لیے علقہ رہتا ہے (جونک کی طرح) رحم کی دیوار سے چپکا ہوا۔پھر اتنی ہی مدت کے لیے مضغہ کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے۔اور اس فرشتے کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور یہ کہ وہ خوش نصیب ہوگا یا بدنصیب، لکھ لیا جائے۔اور اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔''(۱)

اب ان تین مرحلوں نطفہ، علقہ اور مضغہ کی مدت کو جمع کریں جیسا کہ حدیث میں بتایا گیا ہے، تو چار مہینے بنتے ہیں۔اس کے بعد اس جسم کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔یہ ہو بہو وہی معلومات ہیں جنھیں جدید میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے۔میڈیکل سائنس کی رسائی صدیوں بعد ہوئی۔

لندن کے امپیریل کالج کی ایک تحقیق میں، جسے کیرولین بروجٹ نے لکھا ہے، وہ کہتی ہیں کہ جنین عموماً دس ہفتوں کے اندر اپنے سر اور گردن کو حرکت دینا شروع کر دیتا ہے اور حاملہ مائیں دو ہفتوں (سولہویں سے اٹھارہویں ہفتے) کے درمیان لات مارنے جیسی حرکت محسوس کرنے لگتی ہیں۔یہ تحقیق وہی معلومات فراہم کرتی ہے جس کا انکشاف نبی رحمت ﷺ نے صدیوں پہلے کیا کہ ۱۲۰ دن بعد روح ڈالی جاتی ہے۔(۲)

(۱) بخاری: ۳۲۰۸، مسلم: ۲۶۴۳

(۲) by Caroline Brogan02 February 2018 / Imperial.ac.uk/ news/ 184591/ First study

(۳) بیٹھ کر پینا

امام مسلم نے حدیث نقل کی ہے جس میں بتایا گیا کہ آپؐ نے انسان کو کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھ لیا کہ کھانے کا کیا حکم ہے توحضورؐ نے فرمایا یہ اور برُا ہے۔(۱)

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہؐ کو کھڑے ہوکر پیتے دیکھا۔ بعض علماء نے حضورؐ کے کھڑے ہوکر پینے کی وجہ یہ بتائی کہ ضرورت کے وقت کھڑے ہوکر پینا جائز ہے، ورنہ عام حالات میں اصل طریقہ بیٹھ کر کھانے اور پینے کا ہے۔

رسول اللہؐ نے جب بتایا کہ کھڑے ہوکر کھانا پینا نہیں چاہیے تو اس وقت کسی کو اس کا ادراک نہیں تھا کہ اس کے پیچھے کیا راز ہے اور کیا حکمت ہے۔ لیکن جب یہ دور آیا اور اس میں اس معاملہ کی حکمت اور تحقیقی وسائنسی راز کھلا جسے رسول اللہؐ نے چودہ سو سال قبل بتادیا تھا۔ یہ کھلی دلیل ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی وحی ان پر آتی تھی، جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔

عالمی شہرت یافتہ ماہر تغذیہ سندھیا گگنانی (Sandhyahu Gugnani) کھڑے ہوکر پانی پینے کے بہت سے مضر اثرات بیان کرتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ کھڑے ہوکر پانی پینے سے جسم کے رطوبتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے اور سیال مادے کی روانی عدم توازن کا شکار ہوتی ہے جو جسم کے زہریلے مادوں کی زیادتی اور سوءِ ہضم کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح جوڑوں میں سیال مادے کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے جوڑوں میں درد وسوزش کے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح یہ عمل گردے کے ذریعہ پانی کی صفائی کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے جو گردے، مثانے اور پیشاب کی نالیوں کے انفیکشن کا سبب بنتا ہے۔(۲)

---

(۱) مسلم: ۲۰۲۴

(۲) Why standing and drinking water is a bad habit / Sandhya Gugnani
Shutterstock .com

جسمانی وغذائی امور کی ماہر ایوش گپتا (Aayush Gupta) لکھتی ہیں:

"کھڑے ہوکر پانی پینے کی عادت سے گریز کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے نظام ہضم درہم برہم ہوتا ہے، کیوں کہ جب آپ کھڑے ہوکر پانی پیتے ہیں تو پانی بڑی تیز رفتار اور قوت سے کھانے کی نالی سے گزرتا ہے اور معدے کے نچلے حصے میں براہ راست گرتا ہے جو انتہائی ضرر رساں ہے۔"

ڈاکٹر رشمی کہتے ہیں:

"کھڑے ہوکر پانی پینا جوڑوں میں سیال مادے کے جمع ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے جس سے جوڑوں میں سوزش کی دقتیں پیدا ہوسکتی ہیں اور جوڑوں کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

ایوش گپتا اس پر مزید اضافہ کرتی ہیں کہ جسم کو مطلوب غذائی عناصر اور وٹامن کھڑے ہوکر پانی پیتے وقت جگر اور نظام ہضم تک نہیں پہنچ پاتے، کیوں کہ پانی کے گزرنے کی رفتار بے حد تیز ہوجاتی ہے جو پھیپھڑوں اور دل کے لیے خطرناک ہے، اس لیے کہ اس سے آکسیجن کی سطح عدم توازن کا شکار ہوجاتی ہے۔(۱)

لونگ جم ڈینشوری (Longjam Dineshwori) کہتے ہیں کہ پانی پیتے وقت ہمیشہ بیٹھ جایا کریں۔ جب آپ پانی کھڑے ہوکر پئیں گے تو پانی آپ کے معدے میں صاف ہوئے بغیر تیزی سے جائے گا۔ اس طرح پانی میں پائے جانے والے بعض ذرات مثانہ میں رک جائیں گے جو گردے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب آپ کھڑے ہوکر پانی پیتے ہیں تو پانی جسم کے اندر تیز رفتاری سے گزرتا ہے، جس کی وجہ سے آپ کا دل اور پھیپھڑے معطل ہوسکتے ہیں۔(۲)

---

(۱) www- health shotscom   (۲)www.theheathsite .com

(۴) بیٹھ کر کھانا

یہ حدیث امام مسلم نے خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کو کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا اور کھانا؟ حضورؐ نے فرمایا: وہ اور برا ہے۔(۱)

ڈاکٹر عبدالرازق گیلانی کہتے ہیں:

بیٹھ کر کھانا پینا زیادہ درست ہے۔ محفوظ ہے، خوشگوار اور بہتر ہے۔ اس میں سارے اعضا پر سکون رہتے ہیں۔ معدہ راحت میں ہوتا ہے، اس لیے پانی معدے کے منہ سے معدے کی دیواروں پر آہستہ آہستہ نرم روی سے پہنچتا ہے۔ اور اگر کھڑے ہو کر پیتے ہیں تو پانی معدہ کے منہ سے سیدھے تہہ تک پہنچتا ہے اور سختی سے گزرتا ہے۔ اگر یہی معمول بن جائے تو معدہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور گراوٹ کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے انسان بدہضمی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم راوی کہتے ہیں:

جب انسان کھڑا ہوتا ہے تو اس میں تناؤ ہوتا ہے اور توازن کا نظام اعصاب کے مرکزی مقامات میں انتہائی شدید طور پر فعال ہو جاتا ہے، تاکہ بدن کے تمام عضلات پر کنٹرول حاصل کر کے جسم کے توازن اور جسم کو سیدھا کھڑا رکھ سکے۔ یہ ایک نازک اور پیچیدہ عمل ہے جس میں اعصابی اور عضلاتی نظام ایک ہی وقت میں کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے انسان اعضا کو پر سکون کرنے میں ناکام رہتا

(۱) مسلم: ۲۰۲۴

ہے جو کھانے پینے کے وقت مطلوبہ اہم ترین شرائط میں ہے۔

ڈاکٹر راوی بڑی تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا معدہ کے اندرونی حصے پر شدید عصبی اثرات ڈالتا ہے۔ یہ عصبی اثرات ان اہم اعصاب کے ذریعے انجام پاتے ہیں جو معدے کے اندرونی حصے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جب یہ عصبی اثرات شدت کے ساتھ اچانک پڑتے ہیں تو یہ خطرناک اعصاب کے خاتمے کا باعث بن سکتے ہیں جن کی وجہ سے دل پر مہلک دھچکا لگتا ہے جس سے وہ رُک جاتا ہے۔ اور بے ہوشی یا اچانک موت کا سبب بن سکتا ہے۔(۱)

(۵) آب زمزم

آب زمزم کی فضیلت اور بیماریوں کے لیے اس میں شفا ہونے کے بارے میں متعدد حدیث ہے۔ اس میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''روئے زمین کا سب سے بہترین پانی آب زمزم ہے۔ اس میں غذائیت بھی ہے اور بیماریوں کی شفا بھی ہے۔''(۲)

دوسری حدیث میں ہے: آب زمزم میں غذائیت بھی ہے اور ہر بیماری سے شفا بھی ہے۔''(۳)

حدیث میں آب زمزم کے تین حقائق بیان ہوئے ہیں:

(۱) غذائیت ہے یعنی کھانے کی جگہ کفایت کرتا ہے، پیاسے کی پیاس بجھاتا ہے اور توانائی بخشتا ہے۔

(۲) بیماری سے شفا: اس میں لوگوں کے لیے بیماریوں سے شفا ہے۔

(۳) روئے زمین کا سب سے بہترین پانی ہے۔

(۱) مجلة حضارة الاسلام، شمارہ: ۲، ۱۹٦٦ (۲) طبرانی، منذری، البانی نے صحیح کہا

(۳) طبرانی: ۲/۷۵۳، صحیح الجامع الصغیر: ۳۳۲۲

(۱) روئے زمین کا سب سے بہترین پانی

رسول اللہؐ کے ارشادات پر مسلمان شک وشبہ کرہی نہیں سکتے، اس لیے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خالق کائنات کی وحی رسول اللہؐ پر آتی ہے۔ البتہ رسول اللہؐ نے جن نئے انکشافات اور سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں اشارے فرمائے ہیں، وہ مسلمانوں کے ایمان میں مزید اضافہ کرتے ہیں اور محمدؐ کی نبوت پر نئے دلائل کا اضافہ کرتے ہیں۔

اس موضوع پر سعودی میڈیا میں وسیع پیانہ پر بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہا جس کی روداد اخبار ''الریاض'' ۲۰/ ۷/ ۲۰۱۱ اور اخبار ''المدینۃ'' ۱۰/ ۵/ ۲۰۱۱ کی اشاعتوں میں شائع ہوئی۔

حرمین شریفین کے سربراہ شیخ صالح الحصینؒ کو ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ آب زمزم کے سائنسی خواص، اس کے اجزا اور اس کے متعلقات کے بارے میں تحقیق کریں۔ اس بارے میں ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو سائنسی طریقہ کار اور پانی کے حقائق سے بخوبی واقف تھے۔ ایک سال تک تحقیقات ہوتی رہیں اور نمونوں کے بار بار ٹیسٹ کیے گئے، اس کے بعد سائنسی ولیبارٹری تحقیق کے نتائج سامنے آئے:

(۱) آب زمزم ہر طرح کی کیمیائی وجراثیمی آلودگی سے صاف ہے۔

(۲) جن تین ذرائع سے آب زمزم نکلتا ہے ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ نمونے لیے گئے اور تینوں کے مخلوط نمونے بھی لیے گئے۔ جانچ کے بعد پتہ چلا کہ آب زمزم کے خاص امتیازات میں دنیا کا کوئی پانی اس جیسا نہیں ہے اور نہ اس جیسا پانی بنایا جا سکتا ہے۔(۱)

ڈاکٹر زغلول نجار قرآن کے سائنسی اعجاز کمیٹی کے صدر (مصر) لکھتے ہیں کہ آب زمزم کے اندر پائے جانے والے صحت بخش اجزا اسے دیگر پانیوں سے بالکل جدا کردیتے

(۱) makkahnewspaper.com / article 1558435 Zamzam Wateran an achirve mentand Mirache

ہیں۔ یہ پانی بے شمار اجزا سے مالا مال ہیں اور اس کی خصوصیات ایسی ہیں جو دیگر پانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔(۱)

(۲) **بیماریوں سے شفا:** ڈاکٹر کنوٹ فایفر لکھتے ہیں: آب زمزم ایک رقیق اور حیات بخش دوا ہے۔ میری رائے میں یہ صرف پانی نہیں ہے بلکہ دوا بھی ہے اور تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ آب زمزم خلیاتی نظام کو بہتر بناتا ہے جو اچھی صحت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی طرح آب زمزم میں فلورائیڈ پایا جاتا ہے جو جراثیم کش ہوتا ہے۔ (۲)

آب زمزم میں صحت کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) آب زمزم خون کے پلیٹ لیٹس کو بڑھانے میں مدد کرتا ہے، جس کی قوت مدافعت کو بڑھاتا ہے، خون کے سفید خلیات اور سرخ خلیات کو بڑھاتا ہے اور جسم سے زہریلی مادے کو خارج کرتا ہے۔

(۲) آب زمزم بھوک کے آثار کو کم کرتا ہے۔

(۳) جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ آب زمزم کا استعمال آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے، بصارت کو مضبوط کرتا ہے اور آنکھوں کے بہت سے مسائل کا علاج کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

(۴) آب زم زم اپنی فطرت میں الکلائن ہے۔ اس کی یہ خاصیت اسے معدے کی جلن کے علاج کے لیے مفید بناتی ہے۔

(۵) تحقیقات کے مطابق یہ دانتوں کو جھڑ کر ٹوٹنے سے روکنے میں بہت موثر ہے۔ دانتوں کو سڑنے سے روکنے لیے پرت کو مضبوط کرتا ہے۔

(۶) میونخ کے سب سے بڑے طبی مرکز کے سربراہ ڈاکٹر کنوٹ فایفر (Cnut Pfeiffer) نے آب زمزم پر کئی تحقیقات کیں تاکہ اس کے پانی کے طبی حقائق کو اجاگر کر سکیں۔

---

(۱)mubasheracjuzeera.net/news/20217/15

(۲)Muslimimk.ocom

ان تحقیقات کے نتیجے میں جو بڑی حقیقت سامنے آئی وہ یہ کہ اس پانی میں انسانی جسم کے خلیوں کی توانائی کی سطح بڑھانے کی صلاحیت ہے۔ اسی طرح یہ پانی انسانی بدن کے خلیوں کے نظام کو مستحکم کرتا ہے۔

(۷) تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ چوں کہ اس میں کیلشیم کی بڑی مقدار ہوتی ہے، اس لیے اس پانی کے مثبت اثرات انسانی جسم پر پڑتے ہیں، خاص طور سے ہڈیوں کے لیے مفید ہے۔ کیوں کہ ہڈیاں کی نشوونما ہی وٹامن کو جذب کرتی ہیں اور بہتر نشوونما میں مدد دیتی ہیں۔

(۸) برازیل کے بائیولوجیکل جرنل میں شائع ہونے والی ایک سائنسی تحقیق میں چوہوں کے ایک گروپ پر زخم بھرنے کے سلسلے میں آب زمزم کے اثرات میں دکھایا گیا کہ اس میں زخم مندمل کرنے کی خاصیت ہے۔

(۹) پاکستانی زولوجیکل سوسائٹی نے ایک سائنسی تجربہ شائع کیا ہے جس میں کینسر کے مریضوں کے لیے استعمال ہونے والی دوا (Doxorubincin) کے منفی اثرات کے ازالے میں آب زمزم کے بڑے مثبت نتائج ظاہر ہوئے اور کیموتھیراپی کے منفی اثرات بھی اس سے زائل ہوتے ہیں۔

یہ طبی تحقیق کہتی ہے: ''ہم نے ان تحقیقات پر اعتماد کرتے ہوئے جن میں کہا گیا ہے کہ آب زمزم مختلف امراض کے علاج میں نفع بخش ہے، ارادہ کیا کہ منفی اثرات کے ازالے کے لیے آب زمزم کو آزمایا جائے۔ ہم نے چوہوں پر تجربہ کرنا شروع کیا۔ چوہوں کے دو گروپ بنائے۔ ایک گروپ کی کیموتھیراپی کے ساتھ ایک مہینہ آب زمزم بھی پینے کا انتظام کیا گیا۔ تحقیق کے اختتام پر ہم نے چوہوں کو جانچنا شروع کیا اور لیبارٹری خوردبین سے چوہوں کے دلوں کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ جن چوہوں نے کیموتھیراپی کے دوران آب زمزم پیا تھا ان پر کیموتھیراپی کے منفی اثرات نہیں آئے اور آب زمزم نے ایک حفاظتی وسیلے کا کام کیا، اس لیے کہ آب زمزم میں جست بھی شامل ہوتا ہے''۔(۱)

(۱) Mohammad Almujtala, (Zinc Inal kaline Waters Zamzam) Pakistan J-Zool. PP 1-11-2022

(۳)غذائیت

تحقیقات کے مطابق آب زمزم میں فلورائیڈ، میگنیشیم، کیلشیم، کلورائیڈ، سلفیٹ اور نائٹریٹ کی زیادہ مقدار ہوتی ہے، یہ دوسرے پانی کے مقابلے میں الکلی سے بھرپور ہوتا ہے کیوں کہ الکلی (Alkaline) کے عنصر کا تناسب زمزم کے پانی میں زیادہ ہوتا اسی لیے آب زمزم کا حاجیوں میں نشاط پیدا کرنے میں بڑا کردار ہے۔

سائنسی تحقیق کے مطابق انسان صرف آب زمزم پی کر زندہ رہ سکتا ہے، کیوں کہ اس پانی میں مذکورہ بالا عناصر پائے جاتے ہیں جو دوسرے پانی میں نہیں پائے جاتے۔ اس لیے زندگی کی بقا کے لیے جسم پر اس کے بہت اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

آب زمزم کا باقاعدہ استعمال جسم کو غذا فراہم کرتا ہے اور اس سے وزن بڑھتا ہے۔

(۶)موٹاپا

فرمان نبوی ہے:

> ”کسی انسان نے اپنے پیٹ سے بُرا برتن کبھی نہیں بھرا۔ ابن آدم کے لیے چند نوالے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھیں اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی حصہ (پیٹ) کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے مختص کردے۔“(۱)

پچھلے زمانے میں اور خاص طور سے زمانۂ نبوی اور اس سے پہلے یعنی پانچویں صدی عیسوی سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ بسیار خوری صحت کے لیے مفید ہے، توانائی وقوت بڑھاتی ہے۔ لمبی عمر کا ذریعہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا اور بتایا کہ بسیار خوری اور موٹاپا ڈھیر ساری بیماریوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ ”کسی انسان نے اپنے پیٹ سے

(۱) ترمذی ۲۲۸۳

برابر تن نہیں بھرا۔‘‘

رسول اللہؐ نے چودہ سو سال قبل موٹاپے کی بیماری سے خبردار کیا اور بیسویں صدی کے اخیر میں تحقیقات سے پتہ چلا کہ بہت سے امراض کا سبب موٹاپا ہے۔ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱)**انجائنا اور دل کا دورہ:** ایک ایسی رپورٹ جس کو اسکالرس کی ایک ٹیم نے تیار کیا ہے۔’’اس کا عنوان ہے:’’موٹاپا اور دل اور خون کی شریانوں کی بیماریاں۔‘‘ اس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ دل کی ۲۱ فی صد بیماریاں موٹاپے کی وجہ سے ہوتی ہیں، جب کہ دوسری طرف یورپین تحقیقات کے مطابق یہ شرح ۲۰۰۸ تک ۳۵ فی صد تک پہنچ گئی۔(۱)

(۲)**دل کا فیل ہونا:** دل کے فیل ہونے کے واقعات کی وجہ ۱۱ فی صد مردوں اور ۱۴ فی صد عورتوں میں موٹاپے کو بتایا گیا ہے۔(۲)

(۳)**ہائی بلڈ پریشر:** سائنسی تحقیقات نے واضح کیا ہے کہ ۸۰ فی صد ہائی بلڈ پریشر کے مرض کی وجہ موٹاپا پایا گیا اور عام وزن والوں کے مقابلے میں موٹاپے کے شکار لوگوں میں ہائی بلڈ پریشر کا خطرہ پانچ گنا زیادہ ہے۔(۳)

(۴)**ہائی کولیسٹرول کی سطح:** موٹاپے کا تعلق کم کثافت لیپو پروٹین (LDL) یعنی خراب کولیسٹرول کی زیادتی اور اعلیٰ کثافت لیپو پروٹین یعنی اچھے کولیسٹرول کی کمی سے ہے۔(۴)

(۵) **گہری رگ تھرومبوس اور پامونری ایمبولزم:** ایک عام شخص کے مقابلے میں

---

(۱) Thomas D Geles A Bray /. Arteriosclerosis, Thrombosis, and Vascular Biology-2006-26: 268-976/published 20/4/2006

(۲) Dr. david Haslam Pro. Wphilip James/Obesity/ The Lancet / published: 1/10/2005

(۳) حوالہ سابق

(۴) Prof. Seams Donnelly / The Medical Complications of obesity /Oxford University press /QJM/ 1st publication online : 17/8/2006

موٹاپے کے شکار شخص کو 2.3 گنا زیادہ موٹاپا ہوتا ہے۔(۱)

(٦) **جلدی بیماریاں:** زیادہ موٹاپے کے منفی اثرات میں جلدی بیماریاں بھی ہیں۔حد سے زیادہ موٹے افراد میں بخارات میں تبدیل ہو جانے والے پانی کی کمی کی وجہ سے جلد کی نفوذ یا سرایت کرنے کی اہلیت میں کمی کا واقع ہونا، اسی طرح پھولنا اور تلوے کی قرنیت میں زیادتی۔(۲)

اس میں شک نہیں کہ موٹاپے کے انتہائی مہلک نتائج ہیں اور جن کا ذکر کیا گیا وہ تو چند ہیں۔البتہ دوسری طرف نگاہ ڈالنے سے رسول اللہؐ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا کے سامنے چودہ سو سال پہلے بسیار خوری سے پیدا ہونے والے موٹاپے کی سنگینی کو بتا دیا اور حفظانِ صحت کے معیاری اصول وضابطے کی قندیل روشن کردی۔

(۷) **کلونجی** (Black Seed Nigella Sativa)

چودہ سو سال پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلونجی کے خواص اور فوائد کا تذکرہ فرمایا اور اب میڈیکل سائنس نے رسول اللہؐ کی باتوں کی تصدیق کردی ہے، حالاں کہ آپؐ کے دور (چھٹی صدی عیسوی) میں نہ خوردبین تھی، نہ لیبارٹری کہ کلونجی کے اجزا کا تجزیہ ہوسکتا تھا۔

رسول اللہؐ نے کلونجی کے بارے میں فرمایا:

”کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری سے شفا ہے۔“(۳)

بہت واضح طور سے نبیؐ نے بتادیا کہ کلونجی میں ہر مرض سے شفا ہے بس موت آگئی

---

(۱) Walter Ageno / Cecilia Becattini / Cardiovas Cular Risk Factors and Venous thronboembolism / published: 17 Dec. 2007, Circulation 2008 117, 93, 102

(۲) 24/ The lmpact of obesity on skin Disease / JEADV/ Issuez / February 2010 Page195

(۳) بخاری:۵٦۸۸

تو الگ بات ہے۔

مجلہ ”طب الاعشاب“(journal of Herbal medcine) نے (فروری ۲۰۲۱ میں) کلونجی کے بارے میں نئی تحقیقات کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں نباتاتی، کیمیائی اور دواؤں کے خواص کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں سعودی یونیورسٹیوں اور ہندوستانی اداروں کے ماہرین مشترکہ طور پر تحقیق کے بعد متفقہ طور پر درج ذیل نتیجے تک پہنچے ہیں:

(۱) کونین کی وجہ سے اس کی بڑی اہمیت ہے جسے تھاموکوئنون (Thy Moquinone) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جس کا اہم ترین جز ہوا میں تحلیل ہو جانے والا تیل ہوتا ہے۔ یہ جگر کی حفاظت، سوزش، جراثیم، فنگس اور کینسر کے مقابلے کی خصوصیات کا ایک مجموعہ ہے۔

(۲) **جراثیم کش** ہے۔ انفیکشن اور جلدی امراض کو ختم کرتا ہے اور قوت مدافعت کو مہمیز دیتا ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ کلونجی کے تیل سے نکالا گیا تھائمو ہائیڈروکونین (Thymohy droquinone) باریک جرثوموں سے مزاحمت کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس سے نکالا جانے والا ڈائیتھائل ایتھر بیکٹر یا سے مقابلے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۳) محققین کے مطابق کلونجی میں دل کے حفاظتی اثرات دیکھے گئے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں جراثیم کش اجزا ہیں۔ ۱۰۸ افراد پر کی گئی سائنسی تحقیق میں بتایا گیا کہ دو ماہ تک کلونجی کا استعمال ہائی بلڈ پریشر کو کم کر سکتا ہے۔

اسی طرح دوسری تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ کلونجی کا روغن خون میں چربی (لپڈ) کی سطح کو کم کرنے اور کونین مرکب کی بدولت شرایین کے تشنج سے بچاتا ہے۔

(۴) مختلف تحقیقات کے مطابق روغن کلونجی معدے میں میوسن (Mucin) اور گلوتاتھیون (Glutatitione) کی سطح کو بڑھاتا ہے اور معدے کی جھلیوں میں ہسٹالین کی مقدار کو

کم کرتا ہے۔اس لیے یہ انڈومیٹوس اورایتھانول کی وجہ سے ہونے والے معدے کے السر کے علاج میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(۵) کلونجی اہرامی شکل کے حفاظتی خلیوں (Pyramida Cells) کو ضائع ہونے سے روکتا ہے۔ یادداشت کو بڑھاتا ہے اور ہپوکیمپس میں اعصابی خلیوں کی موت کے امکانات کو کم کرتا ہے۔

(٦) محققین کی دریافت ہے کہ منہ کے راستے کونین لینا کینسر کے علاج کی دواؤں کی تاثیر کو بڑھاتا ہے اور جگر کے کینسر اور کیمیائی سرطان پیدا کرنے کے زہریلے اثرات سے بنیادی طور پر بچاتا ہے۔

تحقیقات کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مرکب ہارمون مزاحم اور ہارمون حساس پروسٹیٹ کینسر کے علاج میں کارآمد ہے اور زہریلے کیمیائی اثرات پیدا کیے بغیر ٹیومر کو روک سکتا ہے۔

کلونجی کے فعال اینٹی آکسیڈ ینٹ اجزا میٹوکونڈریائی توانائی کے میٹابوزم کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ خلیوں کے اندر انسولین ریس ریپٹرز کے راستوں کو بہتر بنا کر انسولین کے اخراج کو بڑھانے کا کام کرتے ہیں۔

(۸) متعدد طبی تحقیقات کے مطابق کلونجی اور اس کے روغن کا جوہر کیڑوں کو ختم کرنے کی مزاحمتی قوت رکھتے ہیں۔ جیسے ٹیپ ورمز اور نیماٹوڈر (کدودانے، کیچوے، چھوٹے کیڑے وغیرہ) کلونجی کیڑوں کے نتیجے میں ہونے والے اکسیڈ ہیٹوتناؤ کے خلاف جسم کی مزاحمت کو متحرک کرتے ہیں اور طفیلی کیڑوں کی زیادتی کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(۹) کلینکل جانچ کے نتائج بتاتے ہیں کہ ۵ ملی لیٹر کلونجی کے تیل کا دو ماہ تک استعمال بانجھ مردوں کے اسپرم کی گنتی، اسپرم کی حرکت، منی، پی ایچ، منی کا حجم اور گول خلیات کو بہتر بناتا ہے۔

(۱۰) روغن کلونجی اور کونین محلول سپر اسپینل اوپیوڈ (Supraspinal Opiod) کو فعال بنا کرانیٹی نوسیپٹو خصوصیات ظاہر کرتے ہیں اور یہ بھی پایا گیا ہے کہ کونین سوزش مخالف اور اینٹی اکسیڈنٹ خصوصیات کے ذریعہ الرجک انسفلائٹس اور ڈسکوائیڈ کولانس کے علاج میں مدد کرتا ہے۔

(۱۱) متعدد تحقیقات نے اس نتیجے تک پہنچایا ہے کہ کیوین مادہ گردہ کی کئی بیماریوں میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جو مانٹو کونڈریل فنکشن کو بحال کرکے گردے کی شدید ناکامی کو روکتا ہے اور کینسر کے علاج میں استعمال ہونے والی سیفا مائیڈ دوا کی وجہ سے گردے کو پہنچنے والے نقصان کے علاج میں مدد کرتا ہے۔

(۱۲) یہ سوزش سے متاثرہ جوڑوں کی حالت کو بہتر بناتا ہے اور صبح کے وقت ان کے اندر آنے والی سختی کی مدت کو کم کرتا ہے۔

یہ ہیں کلونجی کے چند فوائد جن کا ذکر محمدؐ نے چودہ صدیوں پہلے ہی کر دیا تھا۔

(۸) دائیں کروٹ سونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں کروٹ سونے کی ترغیب دیتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

"جب کوئی سونا چاہے تو دائیں کروٹ سوئے۔"(۱)

رسول اللہؐ کی اس ہدایت کے سائنسی راز کیا ہیں؟ اور کیا آپؐ اس بات سے واقف تھے، جب کہ چھٹی صدی عیسوی میں میڈیکل سائنس ترقیاتی دور سے نہیں گزری تھی، اس معجزانہ ہدایت کے بارے میں سائنسی انکشافات کیا ہیں؟

مشہور انگریز مصنفہ بیتھان گرڈلر ماسلین نے اپنے مقالے "دائیں کروٹ سونا عقل کی صحت کے لیے بہتر ہے" میں کہا ہے: "نئی سائنسی ریسرچ نے انکشاف کیا ہے کہ دائیں کروٹ سونے کے متعدد صحت بخش فائدے ہیں۔ اس سے دماغ صحت مند رہتا ہے،

(۱) صحیح ابن حبان: ۵۵۳۴، شعیب ارناؤوط نے صحیح کہا

جیسا کہ ماہر اعصاب ڈاکٹر تارا نے صحت بخش نیند کے موضوع پر علمی گفتگو میں کہا ہے کہ دماغی صحت کے لیے بہتر طریقہ دائیں کروٹ سونا ہے۔(۱)

امریکی ڈاکٹر مائیکل باریس ماہر امراض نینداور ''گڈ نائٹ'' کتاب کے مصنف کہتے ہیں: ''تحقیقات بڑی عمر کے مرحلے میں خاص طور سے دائیں کروٹ سونے کو ترجیح دینے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اس بات کے اشارات موجود ہیں کہ بڑی عمر کے لوگوں کا دائیں کروٹ سونے کو ترجیح دینا حالت نیند میں دل کی کارکردگی کو محفوظ رکھتا ہے۔''(۲)

''اسلام ویب'' سائٹ کے مطابق سائنسی تحقیقات دائیں کروٹ سونے کے بارے میں جو تشریحات پیش کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) بایاں پھیپھڑا دایاں سے چھوٹا ہوتا ہے اس لیے دائیں کروٹ سونے میں دل پر وزن کم پڑتا ہے۔

(۲) دائیں کروٹ سونے کی حالت میں جگر استقرار کی حالت میں رہتا ہے، ٹکا ہوا نہیں رہتا اور معدہ اس پر آرام سے اس کے اوپر جھکا رہتا ہے اور یہ حالت معدے کے لیے ہضم کرنے کے بعد کھانے کو باہر نکالنے کے لیے بہت آسان ہے۔

(۳) دل کی شکل کو دیکھیں تو وہ سینے میں مکمل طور پر عمودی طور پر واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا نچلا حصہ بائیں طرف جھکا ہوا ہے جب کہ اس کا اوپری حصہ دائیں جانب جھکا رہتا ہے اس لیے دائیں کروٹ سونے سے شریان کے ذریعے دل کے اوپری خلیے خون کے پرے جسم کی طرف بہاؤ میں مدد ملتی ہے، جس سے دل راحت پاتا ہے، اس لیے کہ تمام اعضا یا تو دل کے نچلے حصے میں ہوتے ہیں یا دل کی سطح کے متوازی ہوتے ہیں۔

(۴) بائیں کروٹ سونا دل کے لیے بڑا مشقت طلب اور دشوار ہوتا ہے۔ کیوں کہ دل کو

Bethan Girdler November(۱)

Your Sleep Position/ Ph.D. Michael J. BreusMarch 30.2019(۲)

بائیں خلیے سے خون پمپ کرنے کے لیے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ نچلے حصے میں دل کی شریان (Aortic) کے پاس ہوتی ہے اور اس سے دس ڈگری اوپر واقع ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں قانون کشش ثقل کے مطابق خون جسم کے ۴۵ فی صد حصے تک جا ہی نہیں پاتا۔

(۵) دائیں کروٹ سونا بہت سی بیماریوں سے بچاتا ہے، جیسے معدے کی تیزابیت، یعنی معدے کے اندر موجود کھانے اور ہاضم تیزابی سیالوں کا کھانے کی نالی میں پہنچ جانا۔(۱)

ڈاکٹر محمد محفوظ نے ''تیزابیت اور علاج'' کے عنوان سے مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ''میں نے بذات خود چھ سو مریضوں پر تجربہ کیا جو اس بیماری کے شکار تھے تو ان میں سے ۹۵ فی صد دائیں کروٹ سونے کے عادی نہیں تھے۔''(۲)

---

(۱) اسلام ویب/الاعجاز فی حدیث النوم علی الشق الایمن۔ ۲۱/۱۱،۲۰۱۸

(۲) الارتجاع الحمضی وعلاجہ، مجلہ الاسلام الیوم، شمارہ ۱۳/دسمبر ۲۰۰۵

رسول اور اقلیتیں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اس وقت مدینہ منورہ میں تین طرح کی اقلیتیں آباد تھیں:

(۱) بت پرست مشرک: یہ عرب قبیلے تھے، مدینہ میں رہتے تھے جن میں دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔

(۲) یہودی: یہ کئی قبیلوں پر مشتمل تھے۔ ان میں بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ خاص طور سے قابل ذکر تھے۔

(۳) عیسائی: ان کے قبیلے کا نام مریمی تھا۔

رسول اللہؐ نے اقلیتوں کے ساتھ باہمی تعلقات کے قواعد متعین کیے جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۱)

''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔''

ایک رسم چلی آرہی تھی کہ جس عورت کی اولاد زندہ نہیں بچتی وہ نذر مانتی کہ اگر بچہ زندہ بچ گیا تو اسے یہودی بنائے گی۔ ایسی عورتوں کو 'مقلاۃ' کہا جاتا تھا۔ یہ رسم اسلام اور

(۱) البقرہ:۲۵۶

رسولؐ کے مدینہ آنے سے پہلے سے چلی آرہی تھی۔ جب اسلام آیا اور یہودیوں کے بعض قبیلوں کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تو بعض انصار نے اپنی اولاد کو ان کے ساتھ جانے سے روکنے کی کوشش کی اور چاہا کہ ان کو اسلام میں داخل کرلیں۔ اس وقت یہ آیت اتری:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۱)

''دین کے معاملے میں کوئی زورزبردستی نہیں ہے۔''

اس کا تذکرہ حدیث میں بھی آیا ہے جسے ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ''جس عورت کے بچے زندہ نہیں بچتے تھے تو وہ منت مان لیتی کہ اگر بچہ بچ گیا تو اس کو یہودی مذہب میں داخل کردے گی۔ جب بنونضیر کی جلاوطنی ہوئی تو ان میں انصار کی اولاد بھی تھی۔ انصار نے کہا ہم اپنی اولاد نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔(۲)

(۲) عدل ومساوات

مسلم وغیر مسلم کے حقوق میں فرق نہیں روا رکھا گیا۔ حضرت محمدؐ کی بعثت کے مقاصد میں ظلم کا خاتمہ، حق دار کو اس کا حق دلانا اور ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرنا تھا۔ اور یہی وہ عدل ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات میں داخل ہے۔ محمدؐ کے بعد آنے والے تمام خلفاء آپؐ کے لائے ہوئے اسی نظام کے پابند رہے۔

انصاف کے حصول کے لیے دعویٰ کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ دلیل پیش کرے، گواہی گزارے اور جس کے اوپر دعویٰ کیا گیا ہے وہ الزام رفع کرنے کے لیے قسم کھائے۔ اس قسم کو رسول اللہؐ نے قانونی دفعہ بنادیا۔ فرمایا: ''مدعی کے ذمہ گواہ اور مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔'' اس سلسلے کے واقعات بہت ہیں۔

الف- ایک صحابی رسولؐ کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوا۔ دونوں رسول اللہؐ کی خدمت میں فیصلے کے لیے حاضر ہوئے۔ رسول اللہؐ کے پاس صرف ایک یہی راستہ تھا کہ دونوں کے

(۱) البقرہ: ۲۵۶ (۲) ابوداؤد: ۲۶۸۲

درمیان عدل وانصاف کونافذ کریں اور اپنے مسلمان صحابی کی رعایت بالکل نہ کریں، بلکہ عدل وانصاف کوصحابیت و رفاقت پر مقدم رکھیں۔ چنانچہ حضرت اشعث بن قیسؓ سے گواہ کا مطالبہ کیا تو وہ گواہ پیش نہ کرسکے۔ پھر آپؐ نے یہودی سے قسم کا مطالبہ کیا کہ اشعث نے جو الزام لگایا ہے وہ درست ہے یا نہیں ہے۔ یہودی نے قسم کھالی۔ رسول اللہؐ نے یہودی کے خلاف فیصلہ نہیں کیا۔ یقیناً اس فیصلے سے حضرت اشعثؓ کو وقتی طور پر صدمہ پہنچا اور نقصان بھی پہنچا ہوگا، لیکن رسول اللہؐ کے سامنے اس قانون کے نفاذ کا تقاضا تھا کہ ''اگر لوگوں کے دعوے کے مطابق حق دیے جائیں تو وہ دوسروں کی جان اور مال پر دعویٰ کرنا شروع کردیں گے۔ لیکن مدعی علیہ کے ذمہ قسم کھانا ہے۔'' (۱) دوسری روایات میں ہے: ''مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے، مدعی علیہ کے ذمے قسم ہے۔'' (۲)

(ب) یہ دوسرا منظر ہے جو مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ صلح کے وقت کا ہے۔ جب معرکہ خیبر میں یہودیوں کو شکست ہوئی اور انھوں نے رسول اللہؐ سے صلح کرنا قبول کی۔ ان حالات میں یہودی علاقے میں ایک انصاری شخص کو قتل کردیا گیا۔ مقتول کے وارث آئے اور دعویٰ کیا کہ یہودی ہی اس کے قاتل ہیں۔ رسول اللہؐ نے گواہ طلب کیے۔ ان کے پاس گواہ نہ تھے اس لیے رسول اللہؐ نے یہودیوں کو سزا نہ دی اور ان پر خون بہا بھی لازم نہیں فرمایا، بلکہ خون بہا کی ادائیگی سرکاری فنڈ سے کی۔ یہودیوں سے صرف یہ مطالبہ کیا کہ وہ قسم کھائیں کہ انھوں نے قتل نہیں کیا ہے۔

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ان کی قوم کے کچھ لوگ خیبر گئے اور ادھر ادھر پھیل گئے کہ اچانک اپنے ایک ساتھی کو قتل کیا ہوا پایا۔ جن لوگوں کے علاقے میں مقتول پایا گیا۔ ان سے کہا: تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: نہ ہم نے مارا اور نہ مارنے والے کو جانتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے

(۱) ابن ماجہ: ۱۸۹۳، البانی نے صحیح کہا (۲) الام: ۸/۲۷

اور بتایا کہ ہم خیبر گئے، وہاں ہم نے اپنے ایک اپنے ساتھی کو مقتول پایا۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں جو بڑا ہے وہ بات کرے، اور گواہ پیش کرے۔ کہا گیا گواہ نہیں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: پھر دوسرا فریق قسم کھائے۔ ان لوگوں نے کہا: یہودیوں کی قسم ہم نہیں مانیں گے۔ اس کے باوجود رسول اللہؐ نے اس خون کو رائیگاں ہونا پسند نہیں فرمایا۔ چنانچہ صدقے کے سو(۱۰۰) اونٹ دے کر مقتول کا خون بہا ادا کیا۔(۱)

(۳) حقوق ادا کرنا

قرآن کی درج ذیل آیت اقلیتوں کے حقوق کے قیام کا نقطۂ آغاز تھا جو آپؐ پر نازل ہوئی:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ (۲)

"اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ مسلمان کے لیے اخلاقی وقانونی طور پر برتاؤ کرنے کی بنیادیں قائم کردی گئیں، جس کے دو اہم ستون ہیں:

(الف) غیر مسلموں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک۔

(ب) انصاف وعدل کرنا، اس کا تقاضا ہر اس شخص کے تعلق سے ہے جو مسلمانوں سے دشمنی نہ رکھتا ہو۔

---

(۱) بخاری: ۶۰۲ (۲) الممتحنہ: ۸

یہ ایسے بنیادی اصول ہیں جن سے دنیا اسلام سے پہلے متعارف نہیں تھی۔

ان ہی حقوق میں سے جن کی ضمانت رسول اللہؐ نے اقلیتوں کے لیے دیا، چند یہ ہیں:

(۱) **حق عقیدہ:** ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ'' کی تشریح سے معلوم ہوا کہ کسی کو مذہب اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس کے ذیل میں عقیدہ کی آزادی بھی داخل ہے۔ اسی طرح زندگی، سلامتی اور بقا کی ذمہ داری بھی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

''جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جو معاہدے کے تحت اسلامی ریاست میں رہ رہا ہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا، حالاں کہ وہ خوشبو چالیس سال کی دوری سے محسوس ہوتی ہے۔'' (۱)

(۲) **مال کے تحفظ کا حق:** اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیت کے حقوق میں ان کے مال کا تحفظ بھی شامل ہے۔ کوئی ناحق ان کے مال پر قبضہ نہ کرے، اسے غصب نہ کرے، چوری نہ کرے۔ اسی طرح کسی ظالمانہ طریقہ سے ہڑپ نہ لیا جائے وغیرہ۔

(۳) **نگرانی و دیکھ ریکھ کا حق:** اقلیتی فرقے کا کوئی مجبور یا بوڑھا ہو جائے تو اس کی نگرانی اور دیکھ ریکھ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور ملک کے ہر شہری کی نگرانی اس کے ذمہ ہے۔ اسلامی ریاست اقلیت بشمول ہر شہری کی عزت نفس کی حفاظت کرتی ہے اور دست سوال دراز کرنے سے بچاتی ہے۔ رسول اللہؐ نے اسے قانون کی حیثیت عطا کی ہے۔ فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔'' (۲)

اقلیتوں کے ساتھ انسانی اخلاق کی خوب صورت مثال وہ ہے جیسے قیس بن سعدؓ اور حضرت سہل بن حنیفؓ نے بیان کیا ہے۔ آپؐ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، آپؐ کھڑے ہو گئے، کسی نے عرض کیا وہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''کیا وہ انسان نہیں ہے؟'' (۳)

---

(۱) بخاری: ۳۱۶۶ (۲) بخاری: ۲۴۰۹ (۳) مسلم: ۹۶۱

رسول کی وہ پیشین گوئیاں جو پوری ہوئیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی ایک نمایاں علامت ان پیشین گوئیوں کا پورا ہونا ہے جو اللہ کی طرف سے حضورؐ نے کی تھیں۔ چند پیش گوئیاں جو پوری ہوئیں، ان کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(۱) رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی

اس وقت کی دو بڑی طاقتوں، رومیوں اور فارسیوں کے درمیان ٹھنی ہوئے تھی، مکہ و مدینہ میں مقیم عربوں اوران دو بڑی طاقتوں کے پڑوس میں آباد عربوں کا اس جنگ سے کچھ لینا دینا نہ تھا۔ یہ بات پانچویں چھٹی صدی عیسوی کی ہے۔اسی دوران فارس کو غلبہ حاصل ہوا اور رومیوں کو فارسیوں کے ہاتھوں زبردست شکست ہوئی جس کے نتیجے میں روم کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔اور انطاکیہ، دمشق، ارمینیا، قدس اور مصر سے بے دخل ہونا پڑا۔

اس ماحول میں قرآن کریم کی یہ آیتیں رسول اللہؐ پر نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں سورۂ روم کی ابتدا میں آئی ہیں:

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۝۲ فِىۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۝۳ (۱)

(۱) الروم: ۲، ۳

''رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔''

نبی رحمت محمدؐ کا روم یا فارس سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ یہ علاقے ہزاروں کیلومیٹر دور واقع تھے۔ قرآن کی آیتوں میں روم کی شکست کا تذکرہ کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ روم کو چند سالوں میں فتح ہوگی، عربی زبان میں لفظ ''بضع'' کا مطلب تین سے نو کے درمیان کا عدد ہوتا ہے۔ پھر یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

انگریز مؤرخ رسول اللہؐ کی پیشین گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جب یہ پیشین گوئی کی گئی تو اس وقت اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور تخمینہ لگانے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا اور پیشین گوئی یہ تھی کہ ہرقل کے سلطنت کے ابتدائی بارہ برسوں کے دوران رومی سامراجیت کا واضح طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔''(۱)

اس وقت دنیا یہ سمجھ رہی تھی روم بستر مرگ پر پہنچ چکا ہے اور جب یہ آیتیں اتریں تو سرداران قریش نے ان آیات کو خلاف عقل قرار دیا، لیکن ابھی چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ ہرقل نے رومیوں کی قیادت کی اور فارس پر غلبہ پالیا۔ روم کی فتح ہوئی اور ۶ سے ۸ سال کے اندر محمد عربیؐ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

(۲) منگولوں سے لڑنا

منگولوں کا ستارہ ۱۲۰۶ء میں اس وقت نمودار ہوا، جب چنگیز خاں نے بہت سے منگول قبائل پر قبضہ کر لیا اور اسے حکم راں قرار دیا گیا۔ اس نے ۱۲۰۷ء میں چین سے دنیا کی فتح کا آغاز کیا، پھر اسلامی ریاست خوارزم سے ۱۲۱۹ء میں آغاز کیا۔ اس کے بعد منگولوں نے اناطولیہ، عراق اور قفقاز پر قبضہ کر لیا، دار الخلافہ بغداد کو جلایا اور بہت سے لوگوں کا قتل کیا، فساد مچایا، نذر آتش کیا اور دنیا میں دہشت پھیلائی۔

(۱) تاریخ انھیاء الامبراطوریۃ الرومانیۃ وسقوطھا، ج: ۵، ص: ۷۳-۷۴

پیغمبر اسلام محمدؐ نے منگولوں سے لڑائی کی پیشین گوئی کر دی تھی، جس کا تذکرہ کئی احادیث میں آیا ہے جن میں منگولوں ذکر کیا گیا ہے، اس سے مسلمان لڑیں گے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے جنگ نہ کرو گے جو بالوں کی جوتیاں پہنے ہوں گی اور قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کے منہ چوڑے چوڑے ہوں گے گویا ہتھوڑے سے پٹی ہوئی ڈھالیں ہیں۔ (یعنی بہت چوڑے منہ والے ہوں گے)۔(۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم ترکوں سے جنگ نہ کرلو، جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ چہرے سرخ ہوں گے، ناک چھوٹی اور چپٹی ہوں گی، چہرے ایسے ہوں گے جیسے تہہ بہ تہہ ڈھال ہوتی ہے۔ اور قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔''(۲)

(۳) روم اور ایران پر فتح

جب مشرکوں نے مدینہ کا ہر طرف سے گھیراؤ کر لیا اور رسول اللہؐ ان سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے اور خندق کھود رہے تھے۔ یہ ۵ ہجری مطابق مارچ ۶۲۷ عیسوی کا واقعہ ہے کہ کھدائی کے دوران ایک بڑے پتھر کو حضورؐ نے توڑتے ہوئے آواز تکبیر بلند فرمائی، اللہ اکبر شام کی چابیاں دے دی گئیں۔ بخدا میں ابھی اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں پھر حضورؐ نے دوسری ضرب پتھر پر لگائی اور اس کا ایک تہائی حصہ اور توڑ دیا۔ پھر اللہ اکبر کی صدا لگائی اور فرمایا: فارس کی چابیاں عطا ہوئیں۔ بخدا میں مدائن کا وہائٹ ہاؤس دیکھ رہا ہوں، پھر جب تیسری ضرب لگائی تو فرمایا: بسم اللہ پھر پورے پتھر کو اکھاڑ پھینکا اور اللہ اکبر کہا اور فرمایا یمن کی چابیاں مجھے دی گئیں۔ بخدا میں اسی جگہ سے اسی لمحہ صنعا کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔''(۳)

---

(۱) بخاری: ۲۹۲۹ (۲) بخاری: ۲۹۲۸ (۳) نسائی، السنن الکبریٰ: ۸۸۵۸،

محمد عربیؐ نے جس قدر پیشین گوئیاں فرمائیں وہ ہو بہو پوری ہوئیں اور اس وقت جب یہ فرما رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی اور ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ اس کڑی گھڑی میں رسول اللہؐ بڑی طاقتوں کے سرنگوں ہونے کی خوش خبری سنا رہے تھے۔

(الف) فتحِ روم: روم کی فتح ۱۵۔۲۰/اگست ۶۳۶ عیسوی میں، یعنی پیشین گوئی کے نو سال اور رسول اللہؐ کی وفات کے چار سال بعد ہوئی۔ اس جنگ کی کمان قیصر کے بھائی تھیوڈر ٹریٹوریس نے سنبھال رکھی تھی۔ مسلمانوں کی فوج ۳۶ ہزار تھی اور روم کی فوج ۲ لاکھ ۴۰ ہزار تھی۔ دو طرفہ فوجوں کا یہ تناسب تھا، مسلمان یہ جنگ حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمانڈ میں لڑ رہے تھے، جو کئی مرحلے سے گزری۔ اس کا آغاز جنگ فحل سے ہوا اور فلسطین کا سقوط ہوا۔ پھر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد عمر بن خطاب خلیفہ دوم نے فتوحات کی تکمیل کی۔ حضرت عمرؓ نے کمانڈر بدل دیا اور خالد بن ولیدؓ کی جگہ ابوعبیدہ بن جراحؓ کو کمانڈر بنایا۔ اس طرح جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ طبریا اور بعلبک کا سقوط ہوا۔ ۶۳۶ عیسوی کے آغاز میں حمص فتح ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کی فتوحاتِ شام مکمل ہوئیں اور مسلمانوں نے شام کی رومی سلطنت کو شکست دی۔

(ب) **فتح فارس:** روم کی فتح کے تین ہی مہینے بعد قادسیہ کی جنگ شروع ہوئی۔ پہلی عالمی طاقت روم کی شکست کے بعد عمر بن خطابؓ نے دوسری عالمی طاقت فارس کے خلاف محاذ کھولنا طے کیا۔ ۱۶۔۱۹/نومبر ۶۳۶ عیسوی سے معرکے کا آغاز ہوتا ہے۔ مسلم افواج کے کمانڈر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے، جب کہ فارس کا کمانڈر رستم تھا۔ ساسانی شہنشاہ یزدگرد سوم اور بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے متحد اور ایک دوسرے کے حلیف ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کو فتح ہوئی اور رسول اللہؐ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

(ج) **فتح یمن:** ملک یمن بذریعہ جنگ فتح نہیں ہوا، بلکہ ہجرت نبوی کے بعد یمن کے لوگ اسلام لے آئے اور پورا یمن رسول اللہؐ کے ماتحت آگیا۔ یمن کے بادشاہوں

اور حکم رانوں کے نام رسول اللہؐ نے خطوط بھیجے، انھی میں ایک خط رسول اللہؐ نے کسریٰ کی طرف سے مقرر کردہ والیِ یمن 'باذان' کو بھی لکھا۔ سب سے پہلے اسی نے آپؐ کے خط کا جواب دیا اور پیغام اسلام قبول کیا۔ رسول اللہؐ نے اسے حکم راں باقی رکھا اور پورے خطے میں اسلام پھیل گیا۔ پھر ۹ ہجری مطابق ۶۳۰ عیسوی میں نبیؐ کی وفات سے پہلے یمن کے وفود آنا شروع ہو گئے جو رسول اللہؐ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے اور اسلام لا کر آپؐ کی اطاعت قبول کرتے۔

(۴) طاعون کی وبا

رسول اللہؐ نے وبائی بیماری طاعون کی پیشین گوئی فرمائی جو ۱۸ ہجری مطابق ۶۴۰ عیسوی عمواس شہر میں پوری ہوئی۔ یہ شہر فلسطین میں بیت المقدس کے نزدیک ہے۔ حضورؐ نے حضرت عوف بن مالکؓ سے کہا: ''قیامت کی چھ نشانیاں شمار کر لو۔ ان میں سے ایک وبا جو بکریوں کے طاعون کی طرح پھیلے گی۔''(۱)

وبا پھیلی، لوگوں کی بڑی تعداد، پچیس ہزار کے قریب مسلمان مرے۔ رسول اللہؐ نے اس وبائی بیماری کو بکریوں کی طاعونی بیماری سے تشبیہ دی ہے، اس لیے کہ طاعون میں جسم کے اندر پھوڑا نکلتا ہے، منہ اور ناک آنت اور جلد کی نچلی سطح سے خون نکلنے لگتا ہے۔ سخت بخار آتا ہے، شدید کپکپی ہوتی ہے، پھر موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی بیماری بکریوں کو ہوتی ہے۔ ناک سے خون نکلنے لگتا ہے جسے انگریزی میں (Scrapie) کہتے ہیں۔ اس بیماری کی علامتیں طاعون کی علامتوں سے مشابہت رکھتی ہیں اور اس سے بکریوں کا نظام تنفس متاثر ہوتا ہے۔ اس کی علامتیں یہ ہیں:

(۱) سانس کی نالی میں سوزش

(۲) خشک تکلیف دہ کھانسی

(۱) بخاری: ۶/۳۱۷

(۳) مرض کے دوسرے دن سانس کا تیز چلنا

(۴) درجۂ حرارت کا بڑھنا اور سستی کے ساتھ ساتھ پیپ کا بہنا

(۵) آتش فشاں

سعودی عرب کے شہر مدینہ کے قریب آتش فشاں کی پیشین گوئی رسول اللہؐ نے فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نہ نکلے جو بصریٰ کے اونٹوں کی گردن روشن کردے۔(۱) سرزمین حجاز مکہ و مدینہ اور اطراف کو شامل ہے۔ یہ پیشین گوئی ۶۵۴ ہجری مطابق ۱۲۵۶-۱۲۵۷ کے درمیان، رسول اللہؐ کی وفات کے چھ صدی بعد، چوں کہ آپؐ کی وفات ۶۳۲ عیسوی میں ہوئی تھی۔ یہ پیش گوئی اسی طرح پوری ہوئی جس طرح آپؐ نے فرمایا تھا۔ معروف اسلامی مورخ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: ''سرزمین حجاز سے آگ نکلی اور بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں تک اس سے چمک اٹھیں۔ جیسا کہ حدیث میں کہا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آگ تین مہینے تک برابر روشن رہی۔ اور عورتیں اس کی روشنی میں سوت کاتتی تھیں۔''(۲)

مورخ شہاب الدین ابوشامہ نے اپنی کتاب ''التذکرۃ'' میں لکھا ہے: مدینہ کے حرہ میں آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ مدینے کی اس آگ کو ہم اپنے گھروں سے دیکھ رہے تھے، گویا ہمارے قریب ہی لگی ہوئی ہے اور وادی شفا کی طرف پانی کے بہنے کی طرح بہہ رہی ہے۔ اس آگ سے اونچے محلوں کی بلندی جیسی لپٹیں نکل رہی تھیں۔(۳)

(۶) وقت میں برکت نہ ہوگی

اس سے آپؐ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ وقت تیزی سے گزرے گا۔ جو چیز برسوں اور مہینوں میں حاصل کی جاتی تھی، وہ چند گھنٹوں اور منٹوں میں حاصل کرلی جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ وقت سمٹ نہ آئے۔

(۱) بخاری ۱۱۸/۷ (۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ۱۳/۱۹۹ (۳) التذکرہ، ص: ۵۲/۷

یہاں تک کہ سال مثل مہینے کے، اور مہینہ مثل ہفتہ کے اور ہفتہ مثل دن کے اور دن ایسا ہو جائے گا جیسے کسی چیز کو آگ لگی اور جلد بھڑک کر ختم ہو گئی۔'' (۱)

آپؐ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب اونٹوں کی سواری کویت سے مکہ مکرمہ ایک مہینے میں پہنچتی تھی۔ اور اب اس دور میں کار دو تین دنوں میں پہنچاتی ہے، جب کہ جہاز دو گھنٹے میں پہنچا دیتا ہے۔

پہلے زمانہ میں خطوط ورسائل ایک ملک سے دوسرے ملک ایک ہفتہ سے ایک مہینے میں پہنچتے تھے اور آج کے ذرائع ابلاغ سے سکنڈوں اور منٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ پہلے کتاب کئی سال میں تیار ہوتی تھی اور آج الیکٹرانک ذرائع اور نیٹ کی مدد سے ایک ہفتہ یا اس سے بھی کم میں انسان تیار کرسکتا ہے اور یہ ساری چیزیں انجام پا رہی ہیں اور ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

(۷) منڈیاں اکٹھی ہو جائیں گی

رسول اللہؐ کی پیش گوئی ہے کہ منڈیاں اکٹھی ہو جائیں گی۔ اس حدیث کو جس نے اس دور میں سنا ہوگا اس کے دل میں بھی اس کا خیال نہ گزرا ہوگا جو اس دور میں ہوا کہ منڈیاں (دنیا کے بازار) سب اکٹھا ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''قیامت نہیں آئے گی جب تک فتنے رونما نہ ہو جائیں، جھوٹ نہ پھیل جائے اور منڈیاں اکٹھی نہ ہو جائیں۔'' (۲)

پہلے زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں اور سارے مذاہب میں جھوٹ بولنا برا سمجھا جاتا تھا۔ عربوں اور ساری اقوام میں غلط تھا لیکن آج جھوٹ سیاسی واقتصادی دنیا کا بنیادی عنصر قرار پایا اور بہت سارے سیاست داں جھوٹ کے بغیر کامیاب ہی نہیں ہو سکتے۔

یہاں قابل توجہ بات رسول اللہؐ کی منڈیوں کے اکٹھی ہونے کی پیشین گوئی ہے۔ پہلے لوگ سفر کرتے، ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتے، پھر بازار جاتے اور بڑے بازار

(۱) صحیح الترمذی: ۲۳۳۲، البانی نے صحیح کہا
(۲) احمد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۷۷۲، البانی نے صحیح کہا

بھی ہر شہر میں نہ ہوتے ،لیکن آج تمام شہروں میں بازار ہیں، بلکہ ہر محلے میں بڑی دکانیں ہیں اورتو اور رہائشی مکانات سے متصل بازار ہو گئے اور اب جب انٹرنیٹ کا انقلاب آیا تو منڈیاں قریب سے قریب تر ہو گئیں اور ساری دنیا کی منڈیاں آپ کے سامنے آ گئیں۔ آپ سفر کیے بغیر دنیا کے بازاروں میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ گھر میں بیٹھ کر سکنڈوں میں خریداری کر سکتے ہیں اور سکنڈوں میں رقم کی منتقلی اور ادائیگی کر سکتے ہیں۔

(۸) موٹاپے کی شرح میں اضافہ

پانچویں صدی عیسوی رسول اللہؐ کی صدی ہے۔اس میں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ یا تو پیدل جاتے یا جانوروں پر سوار ہو کر جاتے اور ساری غذا اور کھانے سادہ و فطری ہوتے۔ اس دور میں کیمیاوی مواد اور کھانوں کو دیر تک محفوظ رکھنے والے مواد (Preservatives) نہیں ہوتے تھے۔ روزمرہ کے جو معمولات ہوتے تھے وہ صحت بخش ہوتے تھے۔اس لیے اس دور میں موٹاپا نہیں پھیلا تھا۔ موٹے بہت کم نظر آتے۔ رہی بات ہمارے دور کی تو غذائی میدان میں ٹکنالوجی کی وجہ سے صنعتی انقلاب آ گیا اور غذاؤں کو تادیر بچانے کے انتظامات ہو گئے۔ اسی کے ساتھ تجارتی دنیا دھوکا وفریب سے بھر گئی۔ ذرائع نقل وحمل (ٹرانسپورٹ، گاڑیاں، جہاز، ٹرین، کشتیاں) نے لوگوں کا پیدل چلنا کم کر دیا اور ساری ضرورتیں ٹکنالوجی کے ذریعہ پوری ہونے لگیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ موٹاپا عالمی طور پر پھیل گیا۔ پانچویں صدی میں اس کی پیشین گوئی حضورؐ نے فرمائی تھی: ’’بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ان کا زمانہ جو لوگ میرے بعد ہوں گے، پھر ایسے لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے، لیکن پوری نہ کریں گے، خیانت کریں گے، ان کے پاس امانت رکھنے سے بچیں گے، وہ گواہی دیں گے لیکن ان کی گواہی نہ لی جائے گی اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا۔‘‘(۱)

(۱) بخاری: ٦٦٩٥

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔

عالمی محکمہ صحت نے سہ شنبہ ۳؍مئی ۲۰۲۲ء کو جو رپورٹ ۲۰۲۲ء کے موٹاپے کے بارے میں پیش کی ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں:

یورپ میں ۵۹ فی صد مرد وزن زیادتی یا موٹاپے کے شکار ہیں اور سات و نو سال کی درمیانی عمر کا ہر تیسرا بچہ وزن کی زیادتی سے پریشان ہے اور ۳۶ فی صد جوان لڑکے، تو ۲۷ فی صد جوان لڑکیاں وزن میں اضافہ کا شکوہ کر رہی ہیں۔

یورپ کے محکمہ صحت کی ایک شاخ کی رپورٹ کے مطابق یورپین ممالک میں موٹاپے کی شرح وبائی بیماری کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں یورپین ممالک میں موٹاپے کی شرح بڑوں میں ۴۰ فی صد تھی اور ۲۰۱۶ء میں یہ شرح ۱۳۸ فی صد تک پہنچ گئی ہے۔(۱)

---

(۱) dw.com/ar

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت

دانشوروں کی نظر میں

دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں نے ہر دور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم ترین شخصیت کا اعتراف کیا ہے اور آپؐ کی خوبیوں اور کمالات نے انھیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ان سب کا احاطہ کرنا تو بڑا دشوار ہے البتہ چند نمایاں دانشوروں کے تاثرات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) **مہاتما گاندھی:** میں ایک ایسے شخص کی زندگی کا بہترین حال جاننا چاہتا تھا جو آج بغیر کسی اختلاف کے کروڑوں بنی نوع انسان کے دلوں پر راج کرتا ہے۔ مجھے اس بات پر مکمل یقین ہو گیا ہے کہ تلوار وہ ذریعہ نہیں ہے جس سے اسلام نے یہ مقام حاصل کیا ہے، بلکہ اسلام نے تو یہ مقام رسولؐ کی انتہائی سادگی، وفائے عہد، اپنے صحابہ اور پیروکاروں کے تئیں اخلاص وایثار، آپؐ کی شجاعت اور اپنے رب کے ساتھ اپنی رسالت پر مطلق بھروسہ کے راستے سے حاصل کیا ہے۔ یہ تھیں وہ صفات نہ کہ تلوار، جنھوں نے اسلام کی راہ ہموار کی اور رکاوٹوں کو عبور کیا۔ سیرت رسولؐ کا دوسرا جز مکمل کر لینے کے بعد میں نے خود کو اس بات کے لیے افسردہ محسوس کیا کہ اس عظیم سیرت کے متعلق مزید جاننے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔(۱)

(۲) **راما کرشنا راؤ:** (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمہ گیر شخصیت کا احاطہ کرنا

(۱) خبراتی فی السجن ۲۹/ ۱۳۳

میرے لیے تقریباً ناممکن ہے۔ میں تو اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکتا ہوں۔ آپؐ کی شخصیت کے کتنے دل آویز اور مختلف النوع مظاہر ہیں! (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت خطیب، بحیثیت یتیموں کے مربی، بحیثیت غلاموں کے محافظ، بحیثیت عورتوں کے نجات دہندہ، بحیثیت منصف اور بحیثیت خدارسیدہ انسان۔ اور ان تمام شان دار کرداروں اور انسانی سرگرمیوں کے ان تمام شعبوں میں آپؐ قابل رشک شخصیت کے مالک تھے۔(۱)

(۳) **لامارٹائن**: اگر انسان کی عبقریت کو ناپنے کا اصول ہی مقصد کی بلندی اور قلت وسائل کے باوجود حیرت انگیز نتائج کا حصول ہو تو کون ہے جو جدید تاریخ سے وابستہ عظیم ہستیوں کا موازنہ محمدؐ کی عبقریت سے کرنے کی ہمت کرے گا؟ جدید تاریخ کے ان مشاہیر نے اسلحہ بنائے، قوانین سازی کی اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں۔ ان لوگوں نے اگر کوئی چیز قائم کی بھی ہے تو وہ مادی قوت کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جو اکثر خود ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ڈھیر ہوگئیں۔ آپؐ نے سپہ سالاری، قانون سازی، حکم رانی، عوام پر حکومت اور حکام کی تربیت ہی نہیں کی بلکہ کروڑوں انسانوں کی قیادت کی جو اس وقت کی دنیا کا تہائی حصہ تھے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے بت پرستی، جوا اور باطل ادیان وافکار اور عقائد کا خاتمہ کیا۔ نبیؐ نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا یہاں تک انھیں اللہ کی مدد حاصل ہوئی۔ نبیؐ کے جذبات وعزائم ایک ہی ہدف پر مرکوز تھے۔ اسی لیے انھوں نے سلطنت یا ایسی کوئی چیز قائم کرنے کی کوشش نہیں کی حتّٰی کہ نبیؐ کی نماز، اپنے رب سے ان کی مناجات، ان کی وفات، اور وفات کے بعد بھی ان کی کامیابی، یہ تمام چیزیں دھوکے اور فریب کی طرف رہ نمائی نہیں کرتیں، بلکہ اس یقین صادق کی طرف رہ نمائی کرتی ہیں، جس نے نبیؐ کو ایک ایسے عقیدے کو نافذ کرنے کی قوت وطاقت عطا کردی تھی، جس کی دو شکلیں تھیں: ایک

(۱) Muhammad the Prophet of Islam

اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور دوسرے اس بات پر ایمان کہ اللہ کی ذات فنا نہیں ہوتی۔ایمان کا پہلا حصہ اللہ کی صفت وحدانیت کی وضاحت کرتا ہے۔اور دوسرا حصہ جن چیزوں سے اللہ متصف نہیں ہے ان کو بیان کرتا ہے، جیسے مادیت اور مخلوقات سے مشابہت۔ پہلے حصہ کے حصول کے لیے اللہ کے سوا پوجے جانے والے تمام معبودان باطل کا خاتمہ تلوار کے ذریعہ ضروری تھا اور ایمان کا دوسرا حصہ کلمہ کے عقیدہ کی پختگی کا مطالبہ، دانائی وحکمت اور بہترین وعظ کے ذریعہ کرتا ہے۔ یہ ہیں محمدؐ فلسفی، مقرر، نبی، قانون ساز، سپہ سالار، خواہشات پر غلبہ پانے والے، سچی عبادت کرنے والے، بت پرستی سے دوری کی دعوت دینے والے، فکر مذاہب کے بانی، روئے زمین پر بیسیوں ریاست قائم کرنے والے اور ایک عظیم روحانی ریاست ساز، یہ ہیں محمدؐ انسانی عظمت کے سارے معیارات کو نظر میں رکھتے ہوئے میں سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کون ہے جو نبی محمدؐ سے عظیم ہے؟(۱)

(۴) **منٹگمری واٹ:** بے شمار عظیم الشان کامیابیوں کے علاوہ اس شخص کا اپنے عقائد کی خاطر ظلم وستم کو برداشت کرنے پر آمادگی اور ان لوگوں کی اعلیٰ اخلاقی فطرت جو اس شخص پر ایمان لائے، اس کی پیروی کی اور آقا و رہبر سمجھا، یہ سب کچھ اس شخص کے اندر عدل اور دیانت کی نشان دہی کرتی ہیں جو اس کی شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ یہ فرض کرلینا کہ محمد فریب ساز تھے، ایک ایسا مفروضہ ہے جو بہت سے مسائل کھڑے تو کر دیتا ہے لیکن حل کسی کو نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مغرب کی تاریخی شخصیات میں ایک شخصیت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جسے اس کے شایان شان ویسا ہی اعزاز واحترام ملا ہو، جیسا محمدؐ کو ملا ہے۔(۲)

(۵) **ڈاکٹر زویمر:** یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلمانوں کے سب سے بڑے قائد تھے اور ان پر یہ بات سو فی صد صادق آتی ہے کہ وہ بڑے بااثر، بلیغ وفصیح، جری اور دلیر تھے اور عظیم

(۱) تاریخ ترکیہ ج:۲،ص:۲۷۶-۲۷۷ (۲) محمد فی مکہ،صفحہ:۵۲

مفکر تھے۔ یہ بالکل نامناسب ہے کہ ان کو ان صفات کے برعکس صفات کے ساتھ یاد کیا جائے۔ یہ قرآن جسے وہ لائے اور ان کی تاریخ اس دعوے کے صحیح ہونے کے گواہ ہیں۔(۱)

(۶) **سینٹ ہیلر:** محمدؐ ریاست کے سربراہ تھے۔عوام کی زندگی اور ان کی آزادی کے محافظ تھے۔ ان کے دور میں جس طرح لوگ وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے اگر وہ جرائم کرتے تو ان کے زمانے کے مطابق ان کو سزائیں دیتے۔ وہ نبی تھے، ایک خدا کی دعوت دیتے۔ طریقۂ دعوت پیارا، ہمدردانہ، رحمت آمیز ہوتا، دشمنوں کے ساتھ بھی کرم فرماتے تھے۔ ان کی شخصیت میں دو ایسی عظیم خوبیاں تھیں جن کا شمار انسانی نفس کی انتہائی بڑی خوبیوں میں ہوتا ہے۔ وہ انصاف اور رحم دلی ہے۔(۲)

(۷) **ایڈورڈ مونٹی:** محمدؐ خلوص نیت، حسن سلوک، فیصلے میں انصاف پسندی اور فکر و تصدیق کے اظہار میں دیانت داری کے لیے مشہور ہوئے۔ حاصل یہ کہ محمد اپنے زمانے کے عربوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ، مذہبی اور انتہائی رحم دل تھے اور نظام کے تحفظ میں بہت سخت تھے۔ انھوں نے انھیں ایسی زندگی عطا کی کہ اس سے پہلے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور وقتی و مذہبی ریاست قائم کی جو آج تک جاری ہے۔(۳)

(۸) **برنارڈ شا:** بے شک دنیا کو ایسے شخص کی شدید ضرورت ہے جو فکر محمد کا حامل ہو۔ یہ وہ نبی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو ہمیشہ اعزاز و احترام کے مقام پر فائز رکھا۔ یہ دین تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کے فہم کے مطابق مضبوط ترین اور زندہ و جاوید رہنے والا دین ہے۔ میں نے اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو کہ اس دین میں سمجھ بوجھ کر داخل ہوئے ہیں۔ یہ دین یورپ میں بڑی جگہ بنالے گا۔ قرون وسطیٰ کی مذہبی شخصیات نے جہالت اور تعصب کے نتیجے میں محمد کے دین کی ایسی شبیہ پیش کی کہ محمدؐ کو

(۱) ڈاکٹر زویمر، الشرق وعاداتہ (۲) الشرقیون وعقائدھم
(۳) ایڈورڈ مونٹی فرانس کے مستشرق ہیں، لوکا ڈا میں پیدا ہوئے آخری تصنیف العرب میں لکھا

عیسائیت کا دشمن سمجھ لیا گیا۔ لیکن میں نے اس شخصیت (محمدؐ) کے بارے میں معلومات فراہم کی تو میں نے انھیں عجوبۂ روزگار اور عبقری پایا اور اس نتیجے تک پہنچا کہ وہ عیسائیت کے دشمن نہ تھے، بلکہ ان کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا جانا ضروری ہے۔ اور میری رائے میں موجودہ انسانی مشکلات ومصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دنیا کے رہ نما بنیں۔

(۹) **سرولیم میور:** مسلمانوں کے نبی محمد کا نام بچپن ہی سے ان کے شہر کے لوگوں نے متفقہ طور پر امین رکھا کہ ان کے اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کا کرشمہ تھا۔ معاملہ جو بھی ہو محمد اس قدر بلند نہیں کہ ان کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ جو ان سے ناواقف ہے وہی ان کو نہیں جانتا ورنہ جس نے ان کی تاریخ کو گہری نظر سے پڑھا وہ باخبر ہے اور محمد کا نام رسولوں اور عالمی مفکرین کی تاریخ میں سرفہرست ہے۔ (۱)

(۱۰) **سنرسٹن آسوجی:** محمدؐ جن قابل ستائش امتیازات اور معیاری صفات کے حامل ہیں اگر ہم ان کا انکار کریں تو ہم ان کے ساتھ انصاف نہیں کریں گے۔ محمد نے جہالت اور بربریت کے سامنے صحیح زندگی کا معرکہ گرم کیا۔ عقیدے کی بنیاد پر جنگ کرتے رہے اور سرکشوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انجام کار مدد آ گئی اور ان کا قانون سر چڑھ کر بولنے لگا اور وہ تاریخ کے عظیم لوگوں میں سب سے اوپر پہنچ گئے۔ (۲)

(۱۱) **مسٹر سنکس:** عیسیٰ علیہ السلام کے ۵۷۰ سال بعد محمدؐ کا ظہور ہوا اور ان کی ذمہ داری اعلیٰ اخلاق کے بنیادی اصولوں کے ذریعہ انسانی عقل کو پروان چڑھانا تھی۔ عقل انسانی کو خدائے واحد، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کے عقیدے کی طرف واپس کرنا تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں: اسلامی دینی فکر نے دنیا کو بڑی ترقیات سے ہم کنار کیا اور کاہنوں، دیوی دیوتاؤں کی قید میں پھنسی انسانی عقل کو آزاد کرایا، عبادت گاہوں

(۱) تاریخ محمد (۲) تاریخ حیاۃ محمد

کے اندر پائی جانے والی اللہ کی ہر مجسم تمثیل و مورت کو نابود کر کے اور اس کا ابطال کرتے ہوئے محمدؐ نے فکر انسانی کو بت پرستی کے غلیظ عقیدے سے نجات دلانے میں کامیابی حاصل کی۔(۱)

(۱۲) **آن بیزیٹ:** جو شخص عرب کے عظیم نبی کی شخصیت، اور ان کی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس بات سے واقف ہو کہ اس نبی نے کس طرح کی زندگی گزاری اور لوگوں کو کس طرح کی تعلیم دی، اس کے لیے ناممکن ہے کہ اس نبی معظم کی عظمت کا اعتراف نہ کرے۔ یقیناً وہ اللہ کے برگزیدہ رسولوں میں ہیں۔ باوجود اس کے کہ جو باتیں میں پیش کرنے جا رہا ہوں، وہ بہت سے لوگوں کے تعلق سے معروف ہوسکتی ہیں، تاہم میں جب بھی ان باتوں کو پڑھتا ہوں تو اس عظیم عرب معلّم کے تئیں حیرت اور قدر افزائی کے نئے احساس سے معمور ہو جاتا ہوں۔

کیا آپ یہ ہمیں بتانا چاہتے ہیں کہ ایک شخص عین جوانی کے دور میں جب کہ اس کی عمر ۲۴ برس سے زیادہ نہیں تھی، خود سے عمر میں بہت بڑی خاتون سے شادی کرتا ہے اور ۲۶ سال تک اپنے جذبات واحساسات کو اسی کے لیے وقف رکھتا ہے۔ پھر جب پچاس سال کی عمر کو پہنچتا ہے، جس میں جسم کی شہوانی خواہشات ماند پڑ جاتی ہیں، تو اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے شادیاں کرنے لگتا ہے؟ یاد رہے یہ فیصلہ لوگوں کی زندگی کے اعتبار سے کیا جائے گا، اگر آپؐ ان عورتوں کے حالات سے واقف ہوں جن سے انھوں نے نکاح کیا تو یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ ہر ایک سے شادی کی کوئی اہم وجہ اور مصلحت تھی۔ جس کے اچھے نتائج ان کے پیروکاروں پر پڑے، یا مذہب کو نفع پہنچا، یا جس سے نکاح کیا وہ خود تحفظ کی ضرورت مند تھی۔(۲)

(۱۳) **مائیکل ہارٹ:** تاریخ کی اہم ترین و عظیم ترین شخصیات میں محمدؐ کو پہلے نمبر پر رکھنا بہت سے قارئین کو حیرت میں ڈال سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخ میں پہلے

(۱) دیانۃ العرب (۲) حیاۃ وتعالیم محمد

تنہا شخص ہیں جنھوں نے دین و دنیا، دونوں سطح پر اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی ہے۔ تاریخ میں انبیاء اور دانشوروں نے بڑے کاموں کا آغاز کیا، لیکن انھیں انجام تک پہنچانے سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے، جیسے عیسائیت کے عیسیٰ (علیہ السلام) ہوئے یا ان کے ساتھ دیگر لوگ شریک ہو گئے یا ان کے علاوہ اور لوگ ان سے سبقت کر گئے، جیسے یہودیت کے موسیٰ (علیہ السلام)، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت تنہا ایسی ہے جس نے اپنے پیغام کو مکمل کیا۔ احکام سازی کی، ان کی زندگی ہی میں قوموں کی قوموں نے اسلام کو قبول کیا۔ اور کیوں کہ انھوں نے مذہبی پہلو سے ایک نئی ریاست کی تشکیل کی، اس لیے دنیوی اعتبار سے بھی انھوں نے قبائل کو ایک قوم کی شکل میں متحد کر دیا اور قوموں کو ایک امت کی شکل میں ڈھال دیا۔ اس امت کے لیے زندگی کی بنیادیں وضع کیں، اس کی دنیا کا ایک نقشہ تیار کیا، اور اس امت کو عالمی سطح تک پہنچنے والی امت کے مقام پر فائز کیا، اور وہ بھی اپنی ہی زندگی میں۔ یہ آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے جس نے دینی و دنیوی کاز کا آغاز کر کے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔(۱)

(۱۴) **ٹالسٹائی:** محمدؐ کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انھوں نے بُرے شیطانی رسوم و رواج کے پنجے سے پس ماندہ خونی قوم کو نجات دلائی اور ان کی پیشانی پر بلندی و ترقی کا تاج ثبت کر دیا۔ یقیناً شریعت محمدی دنیا پر حکم رانی کرے گی، کیوں کہ وہ عقل و دانائی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔

(۱۵) **شبرک نمساوی:** انسانیت محمد جیسے شخص کی طرف نسبت کرنے پر فخر کرتی ہے کہ وہ کسی سے نہ پڑھے ہونے کے باوجود پندرہ سو سال قبل ایسا قانون لائے کہ اگر ہم یوروپین اس کی چوٹی تک پہنچ جائیں تو خوش نصیب ہوں گے۔

---

(۱) مائۃ رجل من التاریخ

خاتمہ

ہماری ہمدردی پوری انسانیت کے ساتھ ہے اور ہماری خواہش ہے کہ نوع انسانی کو نفع پہنچے، ہم نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سیکھا ہے۔ زیر نظر کتاب پیش کرنے کا یہی محرک ہے۔ اس عظیم شخصیت کے بارے میں جو نہیں جانتا اس کی آنکھوں کا پردہ اٹھے اور حقیقت آشکارا ہو۔ رسول اعظم رحمتِ عالم ہیں، اس میں جذبات سے پہلے عقل کو خطاب ہے۔ جو جذبات کو ایک طرف رکھے، منفی سوچ، جو ذرائع ابلاغ نے رچا بسا دی اور اس بارانِ رحمت سے عداوت پیدا کر دی اس سے کنارہ کش ہو جائے تو اس کتاب کی تجلیات اسے روشن کر دیں گی۔ پھر وہ اپنی عقل و فکر کو اس حقیقت کے قریب لے جا سکے گا جو صاف و شفاف اور بے غبار ہے، بلکہ جب اس کا دل و دماغ کھل جائے گا تو وہ خود تاریخ عالم کے عظیم ترین انسان اور کامیاب ترین رہ نما کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آگے بڑھے گا۔

———————

MUHAMMAD S. A. KAUN?

by: Dr. Abdul Hamid Jasim Al Bilali

Translated by: Mufti Muhammad Arshad Farooqi

ڈاکٹر عبد الحمید جاسم البلالی کویت کے مشہور داعی، مصنف اور صحافی ہیں، اسلامی علوم شریعت میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ چار درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

ڈاکٹر عبد الحمید البلالی کویت میں منشیات کے خلاف جمعیۃ بشائر الخیر کے بینر تلے بہت منظم انداز میں کام کر رہے ہیں۔ نشے کے سیکڑوں افراد کو آپ کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں توبہ، رجوع اِلی اللہ اور مومنانہ زندگی گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اس کتاب کا مقصد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت سے متعارف کرانا ہے۔ یہ کتاب آپؐ کے اخلاق و اوصاف، انسان حیوانات، جمادات، عورت، بچے اور دیگر مذاہب کے تئیں آپؐ کے رویہ کا بالکل قریب سے تعارف کراتی ہے اور انسانی حقوق اور دنیا جس معیاری اخلاق کی اس دور یا کسی دور میں متقاضی ہے انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے بارے میں محمدؐ کے رہنما خطوط سے آشنا کراتی ہے۔

+91 9667072147

+965 65948929

المنار پبلشنگ ہاؤس

AL-MANAR ،N-27 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

N-27, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, N. Delhi-25